ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

"بیت الفتوح"۔ مارڈن (سرے۔ برطانیہ) کی تقریب سنگِ بنیاد حضور انور صدارتی کرسی پر تشریف فرما ہیں۔

برطانیہ میں موجود عمارت جہاں نئی "بیت الفتوح" کے نام سے یورپ کی سب سے بڑی "بیت الذکر" تعمیر کی جارہی ہے۔

سنگِ بنیاد کا ایک منظر
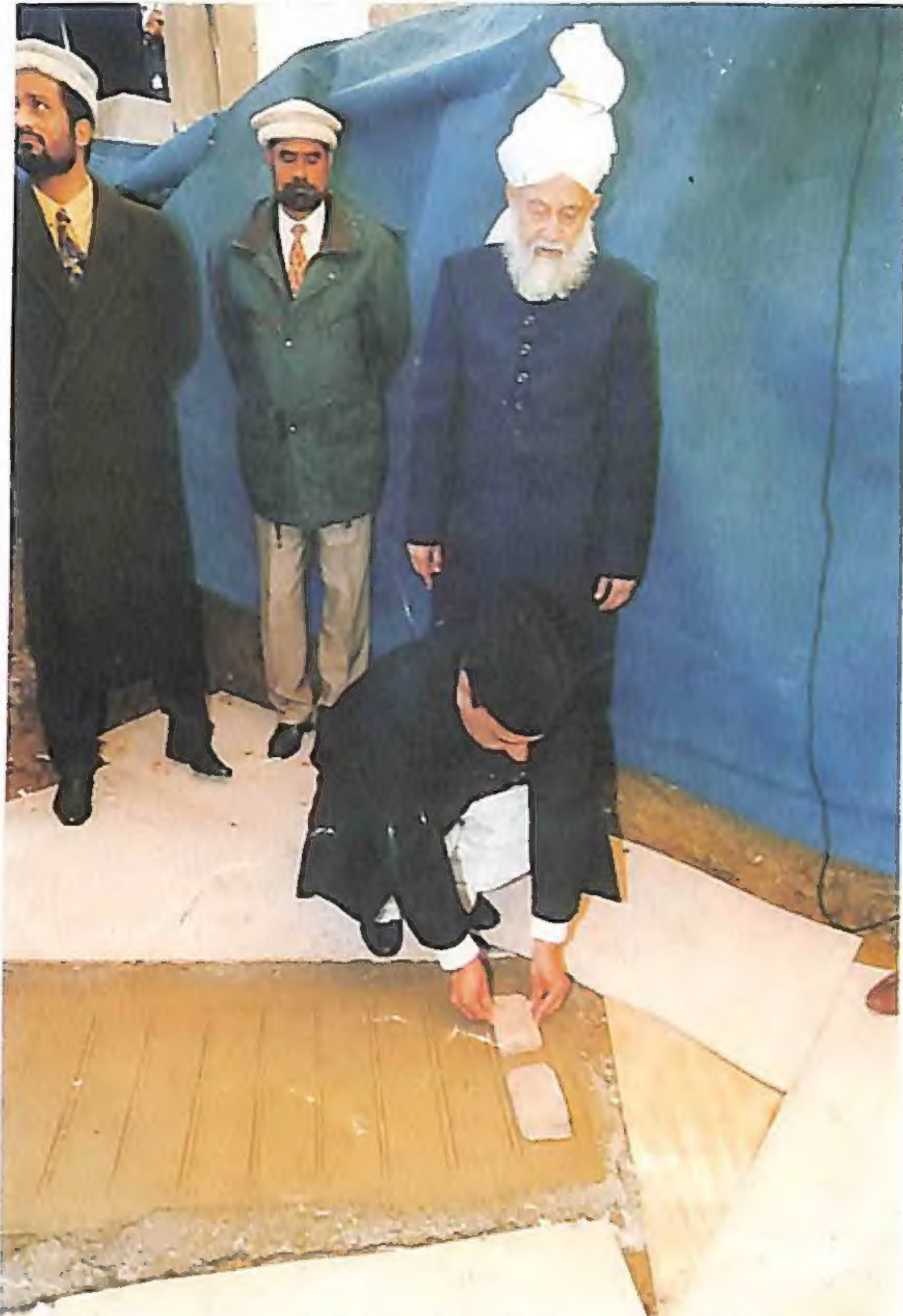
سنگ بنیاد کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ دعا کرتے ہوئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ

خالد

فتح 1378 ہش

دسمبر 1999ء

جلد 47 شمارہ 2

☆☆☆☆☆☆
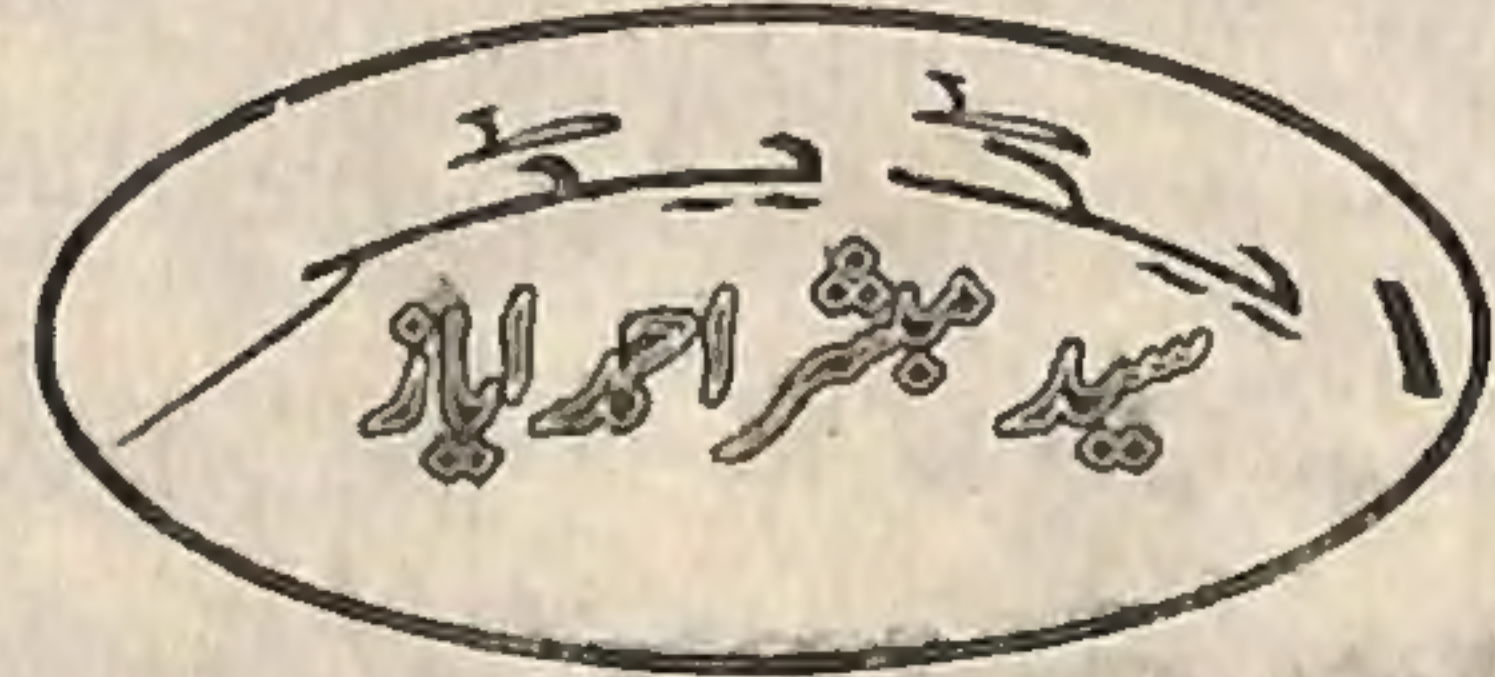
نائبین :۔ فخر الحق شمس ۔ اسد اللہ غالب

قیمت پرچہ: -/7 روپے ☆ سالانہ چندہ: -/70 روپے

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

پبلشر: مبارک احمد خالد پرنٹر: قاضی منیر احمد مطبع: ضیاء الاسلام پریس چناب نگر (ربوہ)

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆

اداریہ

تمام مہینوں کا سردار

یہ وہ مہینہ ہے جس میں تمام عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں

امسال دسمبر کے مہینے مین رمضان کا آغاز ہو رہا ہے اور رمضان کا مہینہ وہ ہے جس کو تمام مہینوں کا سردار کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس مین ساری عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ جس کی فضیلتوں کو سنیں اور پڑھیں تو یہ باقی مہینوں کا سرتاج مہینہ کہلائے اور اس کی اہمیت کو سمجھیں تو یہ عظیم مہینہ ہو' اور اس کی برکتوں اور رحمتوں کو دیکھیں تو خدائے غفور و رحیم پر قربان جائیں کہ جس نے اپنے بندوں کو یہ پیارا اور خوبصورت مہینہ عطا فرمایا۔ اس مہینے کا ایک ایک دن کئی مہینوں پر بھاری اور ایک ایک رات سالوں بلکہ صدیوں پر محیط۔ خدا کے قریب ہونے کے ایسے سامان کہ جیسے خدا خود پاس چلا آیا ہو اور سارے گناہوں کی بخشش کے ایسے کام کہ جیسے بس وہ کوئی بہانہ چاہتا ہے بخشنے کا۔ بس صرف ذرا سا اپنے آپ کو سنبھالا دینے کی بات ہے۔ چند ایک امور ہیں۔ اخلاقی' روحانی' معاشرتی اور جسمانی ان میں ایک اعتدال اور توازن کی بات ہے۔ پھر بس خیر ہی خیر ہے۔ اس مہینے میں اگر ٹریننگ ہو جائے تو باقی سارا سال اس ٹریننگ کی بدولت بہتر گزر سکتا ہے۔ اور یوں رمضان سلامت گزر جائے تو پھر سارا سال سلامت۔ اور اسی طرح اگر زندگی کا سفر جاری رہے تو گویا ساری زندگی سلامت گزر گئی۔ اور کون ایسا ہو گا کہ جو سلامتی کے ساتھ بے شمار دولتوں اور انعامات کے ساتھ اپنی زندگی کو گزارنا نہیں چاہے گا۔ یہ مہینہ ہے جو ہر اس چیز کا وارث بنا سکتا ہے جو انسان کے لئے ضروری ہے۔ جو اس کی بھلائی اور بہتری کے لئے ضروری ہے۔ اس کے دن نصیبوں کو سنوارنے والے اور راتیں مقدر بنانے والی۔ پس اس مہینے کی عظمت کو پہچاننے کی کوشش کریں اور پھر اس عظمت کو اپنے دل میں اتاریں اور سارے جسم اور روح کے ساتھ اس کو قبول کریں۔ اس کا احترام کریں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس مہینے کو گزاریں۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ بیوت الذکر کو آباد کریں' اپنے گھروں میں عبادات کا رواج ڈالیں اور روح و جسم کی جان وہ خطاب اور درس ہیں جو خدائے علیم و حکیم کا ایک بندہ' ہمارا پیارا آقا۔ ایک خوشگوار خوش ذائقہ اور انواع و اقسام پر مشتمل روحانی مائدہ کی صورت میں MTA کے ذریعہ پیش کرتا ہے۔ آئیں ان سے ہم پیاس بجھائیں اپنی روح کی' کہ جس کی سیرابی کا اور کوئی سامان نہیں' اور اس کے سوا اور کہیں بھی نہیں۔

نوٹ :۔ رمضان المبارک کے حوالے سے یہ تمام مضامین حضور انور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبات سے تیار کئے گئے ہیں۔ جو کہ الفضل انٹرنیشنل لندن میں شائع شدہ ہیں۔

رمضان کی اہمیت

حضرت مسیح موعودؑ کی عرفان انگیز تحریر اور حضرت خلیفۃ المسیح کی پر معارف تفسیر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعض تحریرات آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن میں سے ایک ہے کہ رمض تپش کو کہتے ہیں۔ یہ آپ کی تحریر ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ رمضان یعنی دو گرمیاں۔ رمضان، رمض یعنی گرمی کو کہتے ہیں یہ نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ رمضان گرمی کے مہینے میں شروع ہوا تھا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں یہ غلط بات ہے۔ دو گرمیاں ایک اور مضمون اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کا گرمی کے مہینے میں شروع ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر جب میں نے تحقیق کی کہ رمضان کب شروع ہوا تھا تو سردیاں بنتی تھیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بات مجھے یقین ہے کہ اسی طرح ثابت ہوگی۔ رمضان کا آغاز سردیوں میں ہوا ہے گرمیوں میں ہوا ہی نہیں۔

پس آپ فرماتے ہیں اس لئے روحانی اور جسمانی تپش مل کر رمضان ہوا۔ یعنی جسمانی طور پر انسان بھوک پیاس کی شدت برداشت کرتا ہے اور جدوجہد بہت کرتا ہے رمضان میں، یہ اس کے لئے ایک حرارت ہے اور روحانی طور پر اس کی روح میں غیر معمولی طور پر گرمی پائی جاتی ہے اور بڑے جوش کے ساتھ اپنے رب کی طرف لپکتی ہے پس یہ دو گرمیاں ہیں جو مل کر رمضان ہوا۔ اہل لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینے میں آیا اس لئے رمضان کہلایا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ روحانی رمض سے مراد روحانی ذوق و شوق اور حرارت دینی ہوتی ہے۔ 'رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہو جاتے ہیں۔ رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر گرم ہو جاتے ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ سخت دلوں کو پگھلانے کے لئے رمضان کو ایک خاص مزاج عطا ہوا ہے۔ اور امر واقعہ یہی ہے کہ بہت سے سخت دل جو عام دنوں میں نرم نہیں ہوتے اور خدا تعالیٰ کے لئے اپنے آپ کو پگھلتا ہوا محسوس نہیں کرتے رمضان میں بعض ایسی راتیں آتی ہیں کہ بے اختیار ان کے دل خدا کے حضور سجدوں میں پگھل کر بہنے لگتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فقرہ 'رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہو جاتے ہیں۔' یہ بے تعلق نہیں بلکہ حقیقتاً ہم نے اس کو ایسا ہی دیکھا ہے۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے نسبتاً لمبے اقتباسات میں سے میں کچھ پڑھ کر سناتا ہوں۔

ملفوظات جلد نہم صفحہ ۱۲۲۔۱۲۳

"تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزے کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ یہ مضمون وہی ہے۔ رمضان کو جو دیکھے وہ اس میں روزہ رکھے۔ شَهِدَ کا مطلب ہے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ تشریح فرمائی ہے جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ پس تم میں سے وہی ہے جو رمضان کو دیکھتا ہے، جو رمضان کو دیکھتا ان معنوں میں ہے کہ

اس میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے گواہی دے سکے۔ اپنے دل سے گواہی دے سکے یہ تو میرا ایسا ملک ہے جس میں جا چکا ہوں اور اس کے حالات کو جانتا ہوں۔

تزکیہ نفس

"روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربے سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔"

پس رمضان کے مہینے میں کھانے میں زیادتی رمضان کا حق ادا نہیں کرتی بلکہ رفتہ رفتہ کھانے میں کمی رمضان کا حق ادا کرتی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ شروع میں تو بھوک نہیں لگتی اس وقت میں اس لئے نسبتاً کم کھاتے ہیں اور جوں جوں رمضان آگے بڑھتا جاتا ہے وہ زیادہ کھانے لگتے ہیں یہاں تک کہ آخری دنوں میں تو رمضان ان کو پتلا کرنے کی بجائے موٹا کر جاتا ہے۔ یہ جسم کی فربہی دراصل نفس کی فربہی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے عام طور پر بھولے پن میں، لاعلمی میں لوگ ایسا کرتے ہیں مگر ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ 'تزکیہ نفس ہوتا ہے جو کم کھانے سے زیادہ ہوتا ہے۔' پس جتنا آپ کم کھانے کی طرف متوجہ ہونگے اتنا ہی رمضان آپ کے لئے فائدہ بخش ہوگا۔

کشفی قوتیں بڑھتی ہیں

"اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں" یعنی خدا تعالیٰ کو انسان مختلف صورتوں اور صفات میں دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہ کشفی قوتوں کا لفظ بہت بامعنی تو ہے ہی مگر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کو ویسے ہی دماغ کی خرابی سے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ کشف دیکھ رہے ہیں یا نیند کے غلبہ کی وجہ سے ان کو کچھ سمجھ نہیں آتی اور اپنے خیالات کو ہی کشف بنا لیتے ہیں۔ رمضان میں کشوف کا جو کم کھانے سے تعلق ہے یہ بالکل اور چیز ہے۔ اس کا نفسانی خواہشات اور اپنے دل کے خیالات سے کوئی بھی تعلق نہیں اور مضمون بتاتا ہے کہ وہ کشف حقیقی خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا یا دل کا وہم تھا۔ دل کے توہمات میں ربط کوئی نہیں ہوتا۔ دل کے توہمات میں ایسی سچائی اور پاکیزگی نہیں ہوتی جو انسان کو گناہوں سے دور پھینک دے۔ پس کشف کا احساس کافی نہیں۔ کشف کا مضمون ضروری ہے کہ کشف میں وہ مضمون ہو جو تقویٰ کا مضمون ہے۔ اگر تقویٰ کا مضمون ہے تو انسان کو یہ کہنے کی ضرورت بھی نہیں کہ میں نے کشف دیکھا ہے۔ اگر تقویٰ کا مضمون ہوگا تو کشف دیکھنے والا اپنے کشف کو چھپا لے گا اور اس کے تذکرے نہیں کرے گا۔ پس رمضان میں یہ ساری شرطیں اکٹھی پائی جاتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بعض الفاظ کو غلط معنی پہنا کر آپ میں سے کئی گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ خیال کر کے کہ ہم بڑے صاحب کشف بن گئے رمضان میں لوگوں سے تذکرے شروع کر دیں کہ یوں مجھے ہلکا سا جھونکا آیا میں نے کشف میں یہ دیکھ لیا یہ ساری باتیں بتانے کا جتنا شوق ہوگا اتنا ہی آپ کا کشف جھوٹا ہوگا۔ لیکن سچے کشوف میں بعض دفعہ دوستوں اور عزیزوں کے متعلق خبر دی جاتی ہے اور وہ خبریں ایسی ہوتی ہیں جو سچی نکلتی ہیں۔ پس ان خبروں کا تذکرہ کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں اور ان کشوف کو جھوٹا قرار نہیں دیتا۔

"پس خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزے دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے۔ اور جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح

اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جائے۔"

پھر روزے اور نماز کی عبادتوں میں ایک فرق بیان ہے فرمایا ہے۔

"روزہ اور نماز ہر دو عبادتیں ہیں۔ روزے کا زور جسم پر ہے اور نماز کا زور روح پر ہے۔ نماز سے ایک سوز و گداز پیدا ہوتا ہے اس واسطے وہ افضل ہے۔ روزے سے کشوف پیدا ہوتے ہیں مگر یہ کیفیت بعض دفعہ جوگیوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔"

یہ وہی بات ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ کشوف تو ہوتے ہیں مگر کشوف میں ایک نفس کا دھوکہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جوگی بھی جو ریاضتیں کرتے ہیں وہ کشوف دیکھتے ہیں لیکن ان کشوف کا بنی نوع انسان کی بھلائی اور نیکی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ عجیب و غریب کشوف ہیں جن کے تفصیلی تذکرے کی یہاں ضرورت نہیں مگر جوگیوں نے کبھی دنیا میں پاکیزگی نہیں پھیلائی۔ کبھی دنیا میں کسی مذہب کے جوگیوں نے بنی نوع انسان کی روحانی حالت تبدیل نہیں کی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام متوجہ فرما رہے ہیں کہ روزے کے کشوف میں بعض دفعہ جوگیوں والی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن روحانی گدازش جو دعاؤں سے پیدا ہوتی ہے اس میں شامل نہیں۔

روزے کا مقصد نماز

اب یہ دیکھیں کہ نماز کو روزے سے افضل قرار دیا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ روزہ سب سے افضل ہے۔ روزے کی جزاء اللہ ہے۔ اس میں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ روزہ بمقابل نماز نہیں ہے بلکہ روزے کا مقصد نماز ہے اور نمازوں کی حالت کو درست کرنا ہے۔ پس اگر روزے میں نمازیں نہ سنوریں تو روزہ بے کار ہے۔ اگر روزے میں نمازیں سنور جائیں تو روزہ نماز کا معراج اور نمازیں روزے کا معراج بن جاتی ہیں۔ پس اس میں تفریق نہ کریں ورنہ مضمون بالکل بگڑ جائے گا۔ حقیقت میں روزے کے دوران جتنی نمازیں سنوریں گی اتنا ہی روزے کا آپ پھل پائیں گے اور اس حد تک سنور جانی چاہئیں کہ گویا آپ کو خدا نظر آ گیا اور گویا اللہ آپ کو دیکھنے لگا۔ یہ صورتیں ہیں جو درحقیقت روزے کی افضلیت میں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ملفوظات جلد دوم صفحہ ۴۳۳ پر فرماتے ہیں۔

پانچ مجاہدات

"خدا تعالیٰ نے دین اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوۃ، صدقات، حج اور اسلامی دشمن کا رد اور دفع خواہ وہ سیفی ہو خواہ قلمی ہو۔"

یہ پانچ مجاہدات ہیں جو مسلمان پر فرض ہیں۔ پہلی نماز، پھر زکوۃ، صدقات اس کے ذیل میں آتے ہیں چوتھا حج اور پانچواں جہاد خواہ وہ قلمی ہو۔

فرمایا "یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں کوشش کریں اور ان کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں۔ بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے ہیں اور ان میں مجاہدہ کرتے ہیں ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں۔ یعنی ایسا نہیں چاہئے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی رکھتا رہے بلکہ ایسا کرنا چاہئے کہ نفلی روزے کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے۔"

اب رمضان کے آنے پر کتنے دل خوش ہوتے ہیں اور کتنے دل غمگین ہوتے ہیں یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ہر انسان جو اپنا جائزہ لے گا اس کو محسوس ہو گا کہ رمضان کے آنے پر ویسی خوشی نہیں ہوتی شروع میں جیسی کہ رمضان کے آنے کا حق ہے بلکہ لوگ گھبراتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ پس اس عبارت کو سننے کے بعد یہ خیال نہ کریں کہ وہ منافقین ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بوجھ اٹھانے سے پہلے دل میں خوف ضرور پیدا ہوتا ہے اور انسان رمضان میں داخل ہونے سے پہلے ڈرتا ہے کہ میں اس

کے تقاضے پورے کر سکوں گا یا نہیں کر سکوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے تقاضے آسان فرما دیتا ہے۔ اس لئے جب میں یہ عبارت پڑھوں گا تو بعض لوگ ڈر کے یہ نہ سمجھیں کہ ان کی حالت منافقانہ ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ کیونکہ عام دستور ہے کہ ہمیشہ رمضان کی ذمہ داریوں کا خوف' رمضان کی آمد کے وقت شروع ہو جاتا ہے اور انسان شروع میں کچھ گھبراتا ہے کہ دیکھوں مجھ پر کیا گزرے گی لیکن اللہ تعالیٰ سچے بندوں کے لئے رمضان کو آسان فرما دیتا ہے اور پھر بشاشت کے ساتھ انسان رمضان میں سے گزر جاتا ہے۔ اس تمہید کے بعد میں آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ اقتباس پڑھتا ہوں۔

روزہ رکھنے کی تڑپ

"وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور میں اس کا منتظر تھا کہ آوے اور روزے رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے روزہ نہیں رکھ سکا تو آسمان پر روزے سے محروم نہیں ہے۔"

جو شخص اس بات پر خوش ہے کہ رمضان آگیا اور میں اس کا منتظر تھا اگر بیماری اس کے راستے میں حائل ہو جائے وہ روزہ نہ رکھ سکے تو آسمان پر روزے سے محروم نہیں ہے۔

لیکن اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم جس طرح اہل دنیا کو دھوکہ دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش کرتے ہیں اور تکلفات شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔"

اب جو حقیقی بہانہ جو ہیں جن کا دل سچ مچ رمضان کی آمد سے خوش نہیں ہوتا ان میں اور سچے مومنوں میں جو دل سے رمضان کو برا نہیں جانتے اس کے فیوض سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ نمایاں فرق ہے کہ سچے لوگ جب رمضان میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے وہ روزہ رکھیں اور بیماریوں کے بہانے ان کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ اور جو بہانہ جو لوگ ہیں جو رمضان کی آمد سے خوش نہیں ہوتے ان کے نفس کے بہانے تیزی دکھانے لگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھے جب میں روزہ رکھوں تو چھینکیں شروع ہو جاتی ہیں۔ کوئی سمجھتا ہے کہ اس کے پیٹ میں خرابی ہو جاتی ہے' کسی کو سردرد ہو جاتی ہے' کسی کو اور بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ غرضیکہ وہ روزمرہ کی بیماریاں جو اس کو لاحق ہوتی ہی رہتی ہیں وہ رمضان کے سر جڑتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تو میں خدا کا حکم مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو روزہ نہیں رکھ سکتا بیماریوں کی وجہ سے وہ نہ رکھے تو کون ہے مجھے حکم دینے والا میں تو خدا کا حکم مانوں گا۔ لیکن جب ان کا باقی سال آپ دیکھیں گے تو اس میں بھی نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ زندگی بھر محروم رہتے ہیں ورنہ کم سے کم باقی وقت تو رکھیں۔ جو واقعتہً سچے عذر کی وجہ سے رکھتے ہیں اللہ کی خاطر رکتے ہیں وہ باقی سال میں ضرور رکھتے ہیں اور یہ لوگ اپنی عمر گنوا دیتے ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ان تحریرات کو غور سے پڑھیں تو ہمارے لئے بہت سے باریک مسائل کو آپ کھولتے چلے جاتے ہیں۔

"لیکن جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے اس کا کیا حال ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا تعالیٰ اسے ثواب سے بھی زیادہ دیتا ہے کیونکہ درددل ایک قابل قدر شے ہے۔"

پس روزے سے محرومی کے نتیجے میں اگر درد دل ہو تو ایک بہت ہی اعلیٰ نشان ہے اس بات کا کہ واقعتہً تمہاری روزوں سے محرومی تمہیں ثواب سے محروم نہیں رکھے گی۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ ایسے درد دل والے کو عام روزہ رکھنے والے کے ثواب سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ جنوری ۱۹۹۸ء)

رمضان

سارے گناہوں کی بخشش کا باعث

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًاوَ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز اس ارشاد نبوی ؐکی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمان کے تقاضے اور احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں - اب یہاں لفظ احتساب استعمال ہوا ہے - اصل الفاظ یہ ہیں مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًاوَ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ لفظ احتساب کا ترجمہ جہاں جہاں بھی میں نے دیکھا ہے ہر جگہ "ثواب کی نیت سے" کر دیا گیا ہے جو اس موقع پر بالکل بے تعلق ترجمہ ہے-

اجر کی نیت سے تو آدمی ہر چیز کرتا ہی ہے اس میں کیا خلوص پایا جاتا ہے - آپ تو جہاں تک ممکن ہو انگلی بھی نہ ہلائیں اگر اجر کا مقصد نہ ہو - اب جو کان پہ خارش کرنے کے لئے بھی انگلی ہلاتے ہیں تو اجر ہوتا ہے جس کے پیش نظر آپ یہ [illegible] کرتے ہیں ورنہ بیٹھے بیٹھے کیا ضرورت ہے حرکت کرنے کی - تو اجر تو ایک عام چیز ہے - اجر کی خاطر [illegible] ایسا کرو گے تو پھر تمہیں بخشا جائے گا بالکل بے تعلق مضمون [illegible] میں نے ڈکشنری کو غور سے دیکھا' مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ دھوکہ اس لئے لگا ہے کہ احتساب کے ساتھ اگر اجر کا لفظ آئے تو پھر ثواب کی خاطر مراد ہوتی ہے اور اگر بغیر کسی لفظ کے احتساب آئے تو وہاں حساب کرنا Accounting اور شمار کرنا اپنا' ایک ایک چیز کا جائزہ لینا یہ مراد ہوتی ہے-

چنانچہ محتسب' شہر کے محتسب کا نام آپ نے سنا ہوا ہے شعروں میں بہت ذکر آتا ہے - جو شخص لوگوں کا حساب کرتا پھرے کہ کوئی کیا کر رہا ہے ایک انسان جو روزانہ اپنے کھاتے لے کر بیٹھتا ہے حساب کرتا ہے یہ کہ کیا پایا کیا کھویا یہ سب لفظ احتساب کے تابع آتا ہے - پس جو چوٹی کی لغات ہیں وہ اس فرق کو نمایاں کرتی ہیں - کہتی ہیں "احتسابا" خالی' جب اکیلا آئے تو اس سے مراد اول طور پر حساب کو چسپاں کر کے خود اپنا تنقیدی جائزہ لو - اب اتنا عظیم الشان مضمون ترجمہ کرنے والوں نے کس طرح نظر سے اوجھل کر دیا ہے جب بار بار یہ کہا گیا کہ "ثواب کی خاطر" - تو ثواب کی خاطر ہر چیز کرتے ہیں تو کونسی چیز ہے جو ثواب کے بغیر کرتے ہوں-

تو مراد ہے احتساب کی خاطر' جب اپنے نفس کا احتساب کرو گے کہ تم کس حالت میں ہو' روزانہ کیا تمہارا مشغلہ ہے' کیا کیا کام جو برے کام تھے تم نے اب رمضان میں چھوڑنے شروع کر دیئے ہیں - کیا کیا کام جو اچھے کام تھے ان کو پہلے سے زیادہ خوبصورتی کے ساتھ' بلکہ ایک نئی شان کے ساتھ آنکھوں کے سامنے ابھرتا ہے جب ہم احتساب کا صحیح ترجمہ کریں - تو مراد ہے کہ جو شخص "ایمان کے تقاضے پورا کرتا ہو" لفظ بھی بات مبہم کرنے والا ہے' جو اللہ پر ایمان کی خاطر ایسا کرتا ہے - اب یہ جو پہلا لفظ ہے یہی آنکھیں کھولنے کے لئے بہت کافی ہے - بہت سے لوگ روزے رکھتے ہیں تو رسماً روزے رکھتے ہیں - بہت سے لوگ روزے رکھتے ہیں لیکن پورا خدا پر ایمان نہیں ہوتا - جب بھی رمضان ختم ہو تو وہ واپس پہلی منفی حالتوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور خدا کے بغیر جو ان کی زندگی ہے وہ از سر نو پھر شروع ہو جاتی

ہے- ادھر رمضان ختم ہوا ادھر پرانی زندگی لوٹ آئی-
جو یہ بات ہے بہت گہری بات ہے-آنحضرت ﷺ کے الفاظ کو کبھی بھی ہلکی نظر سے نہ دیکھیں بہت گہرے مضامین لئے ہوئے ہوتے ہیں-

تو-پہلی بات یہ ہے "ایمانا" "ایمانا" یعنی اللہ پر ایمان ہے اس لئے روزے رکھ رہا ہوں یہ ایک اہم مضمون ہے-سب سے پہلے اپنی نیتوں کو پرکھ کر دیکھیں اور غور کریں کہ واقعۃً اللہ پر ایمان کے نتیجے میں روزہ ہے تو ایمان کے تقاضے بھی پورے کرتے ہیں کہ نہیں-وہ ایمان جو فرضی ہو جس میں تقاضے پورے نہ کئے جائیں اس ایمان کا فائدہ کیا-ایمان کے تقاضے پورے کرنے کے لئے احتساب ضروری ہے اس لئے "ایمانا و احتسابا" کے دو لفظوں کو اکٹھا جوڑ دیا گیا ہے اور مضمون کو مکمل کیا گیا ہے"-

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ جنوری ۹۷ء)

پھر فرمایا:-

"آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں روزہ گناہوں کو یکسر مٹا دیتا ہے-نذر بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جو آپ نے اپنے والد سے سنی ہو اور انہوں نے ماہ رمضان کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے براہ راست سنی ہو-نذر بن شیبانؒ کہتے ہیں میں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہا تھا-یہ کیا خیال آیا ان کو'معلوم ہوتا ہے کہ کوئی یہ روایت عام ہوئی ہوگی اور اس کا چرچا انہوں نے سنا ہوگا اور وہ چاہتے ہونگے کہ میں ان کی زبان سے خود سن لوں-ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا ہاں مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے رمضان کے روزے رکھنے تم پر فرض کئے اور میں نے تمہارے لئے اس کا قیام جاری کر دیا پس جو کوئی ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزے رکھے وہ گناہوں سے ایسے نکل آتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہو-

یہ وہی حدیث ہے جو گزشتہ سال بھی میں نے بیان کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ "ثواب کی نیت سے روزے رکھنے" کا ترجمہ درست نہیں ہے-یہ رواجی ترجمہ ہے-اور ثواب کی نیت سے روزے رکھنا احتساب کا غلط ترجمہ کیا گیا ہے-جو روزے اس لئے رکھے کہ اپنے نفس کا احتساب کرے اور باریک نظر سے اپنے اعمال کا جائزہ لے کہ ان میں کہیں کسی قسم کی غیر اللہ کی ملونی تو داخل نہیں ہو رہی-یہ ترجمہ اگر کیا جائے تو پھر باقی مضمون بالکل ٹھیک بنتا ہے-ایسا شخص جب رمضان سے گزرے گا تو گویا اسے نئی زندگی ملی ہے جیسے ماں نے اسے جنم دیا ہے-پس اس پہلو سے یاد رکھیں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں مَن صامہ وَ قَامہ اِیمَاناًوَ اِحتِسَاباًیہ لفظ احتساب ہے جس کا ترجمہ ہمارے تراجم میں غلط رنگ میں راہ پا گیا ہے-اور احتساب سمجھنا ضروری ہے ورنہ اس کے بعد کَیوم وَلدتہ اللّٰہ کے الفاظ نہیں آسکتے-احتساب ہی ہے جو انسان کو یکایک صاف کر سکتا ہے گویا اس کی ماں نے اسے نیا جنم دیا ہے"

(خطبہ فرمودہ 16 جنوری 98ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل)

ولادت باسعادت

مکرم و محترم سید محمود احمد شاہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بچی سے نوازا ہے۔ بچی وقفِ نو کی بابرکت تحریک میں شامل ہے۔ حضور انور نے بچی کا نام "خُلت محمود" عطا فرمایا ہے۔ بچی محترم سید داؤد مظفر شاہ صاحب و محترمہ بی بی امتہ الحکیم صاحبہ کی پوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نومولودہ کو نیک اور صالحہ بنائے اور والدین کے لئے قرۃ العین ثابت ہو۔ آمین

روزہ یا محض بھوک پیاس؟

نو مبائعین اور داعیان الی اللہ کے لئے بھی ایک خصوصی نصیحت

سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے اجتناب نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اب یہ دو باتیں ہیں جو بیان فرمائی گئی ہیں۔ جھوٹ بولنے سے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے، ان میں فرق کیا ہے۔ بعض لوگ تو عادتاً جھوٹ بول دیتے ہیں۔ ایک بات اس کا خاص مقصد حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنی شیخی ہوتی ہے بعض دفعہ۔ بعض دفعہ دلچسپ بات کرنے کا شوق ان سے جھوٹ بلواتا ہے۔ جو واقعہ نہیں ہوا ہوتا وہ اپنی طرف اپنے تجارب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے نتیجے میں دوسرے کو صرف اتنا دھوکہ لگتا ہے کہ آدمی بڑا ہوشیار ہے مگر اس کو اور نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر یہ جھوٹ یہاں نہیں رہا کرتا۔ جو شخص ایسا جھوٹ بولے پھر وہ جھوٹ اس کے عمل میں داخل ہوتا ہے اور اس کی ساری زندگی کو جھوٹا بنا دیتا ہے۔ وہ کمائی جھوٹ کی کرتا ہے وہ خطروں سے بچتا ہے تو جھوٹ کی پناہ میں آکر بچتا ہے وہ تمنائیں کرتا ہے تو اس کی تمناؤں میں جھوٹ اس کا مددگار بن جاتا ہے اور اس کے اعمال میں رچ بس جاتا ہے۔ یہ وہ جھوٹ ہے جس کی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے توجہ دلائی کہ رمضان میں اس بدبخت چیز کو چھوڑو اور اگر اس کو نہیں چھوڑو گے تو یہ رمضان تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

جھوٹ سے نجات حاصل کرنا ایک وقت کے فیصلے کی بات نہیں ہے۔ باشعور طور پر آپ کو اپنے ہر فیصلے کی نگرانی کرنی ہوگی۔ فرمایا اللہ کو کیا دلچسپی ہے کہ تم بھوکے رہو۔ رہو نہ رہو خدا تو رازق ہے، خدا تو احسان کرنے آیا ہے۔ بھوک اگر کسی نیکی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ اگر بھوک خدا کی خاطر ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ سے کوئی تعلق باندھتی ہو تو پھر یہ بھوک پیاری ہے ورنہ فی ذاتہٖ بھوک کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت کو پکڑیں اور اس نصیحت سے اپنے سفر کا آغاز کریں کیونکہ اکثر جو نومبائعین ہیں ان کو تو میں نے سچا ہی دیکھا ہے خصوصاً یورپ میں اکثر لوگ سچ کے ہی عادی ہیں۔ یہ بدقسمتی ہے بعض تیسرے درجے کی دنیا کی جس میں افریقہ بھی شامل ہے پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش۔ ایسے لوگ ہیں بڑا ہی جھوٹ بولتے ہیں اور روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں جھوٹ کا سہارا لئے بغیر آگے بڑھ ہی نہیں سکتے۔ ان کے سیاستدان بھی جھوٹے، ان کے پولیس کارندے بھی جھوٹے، ان کی سول سروس والے بھی جھوٹے ان کے تقویٰ انصاف قائم کرنے والے بھی جھوٹے، ان کے مانگنے والے بھی جھوٹے، ان کے دینے والے بھی جھوٹے، اتنا جھوٹ ہے کہ ایسی وبا جھوٹ کی شاید ہی دنیا میں کبھی کبھی دنیا پر بلا کے طور پر اتری ہو۔ تو رمضان کا مہینہ ہے سب سے پہلے وہ لوگ جو ایسے ملکوں سے یہاں آئے ہیں یا دوسرے ملکوں میں گئے ہیں جہاں جھوٹ نہیں ہے۔ وہ پہلے اپنے نفس کی تو اصلاح کر لیں۔ بھوکے رہیں گے اور جھوٹ بھی بولیں گے تو بھوکے رہنا سب کچھ باطل جائے گا۔ مفت کا عذاب ہے، گناہ بے لذت ہے یعنی یوں کہنا چاہیے ثواب ہے جو تکلیف وہ ثواب ہے لیکن ثواب نہیں ملتا۔ ایسا ثواب ہے جو فرضی ثواب ہے تکلیف چھوڑ جاتا ہے ثواب نہیں ہوتا۔ تو اس کا کیا

فائدہ۔

اور اس ضمن میں میں داعیین الی اللہ کو خصوصیت سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کو مستقلاً خدا کا بنا دینے کا ایک بہت ہی اچھا وقت ہاتھ میں آیا ہے۔ آج کل جو نئے نئے احمدی ہوئے ہیں۔ دنیا کے کونے کونے میں ہو رہے ہیں' کوئی شرک سے آ رہے ہیں۔ کوئی دہریت سے آ رہے ہیں۔ کوئی دوسرے مسلمانوں سے چلے آ رہے ہیں جنہوں نے اب (دین حق) کا حقیقی نور پایا اور دیکھا اور پہچانا ہے۔ غرضیکہ ہر قسم کے لوگ ہر ملک سے آ رہے ہیں اور یہ تعداد خدا کے فضل سے دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے ان کو سنبھالنے کا مسئلہ ہوا کرتا ہے اور میں داعیین الی اللہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اب رمضان میں ان کو اس طرح سنبھالیں کہ خدا کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیں۔ اس سے بہتر سنبھالنے کا اور کوئی طریق نہیں ہے۔ سارے مسائل ایک طرف' سارے روزمرہ کے جھگڑے ایک طرف اور کسی کا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں تھما دیا جائے یہ ایک طرف' اس کے بعد خدا اسے پکڑ لیتا ہے اور مضبوطی سے اس کو تھام لیتا ہے۔

اب یہاں مضمون کچھ بدل گیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ آپ چھوڑ دیں تو چھوڑ دیں لیکن اگر آپ خدا کا حقیقی عرفان حاصل کریں تو آپ چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کے برعکس اللہ چاہے تو چھوڑ دے لیکن انہی کو چھوڑتا ہے جو اس کا حقیقی عرفان حاصل نہیں کرتے۔ ایک سرسری تعلق کے لئے اس کے پاس آتے ہیں۔ تو اب میں جو آپ کو بات کہہ رہا ہوں درحقیقت اس میں تضاد نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ان دنوں میں ان کا ہاتھ تھما دیں پھر وہ خدا ان کو سنبھال لے گا۔ کچھ عرصہ ایسا گزرتا ہے جس سے تعلق میں کہ بندہ چھوڑنا بھی چاہے تو خدا ہاتھ نہیں چھوڑتا۔ بعض دفعہ مصافحے میں میں نے دیکھا ہے بعض لوگ جو زیادہ ہی پیار کا اظہار کرنا چاہیں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کتنے لوگ مصافحے والے کھڑے ہیں ہاتھ میں ہاتھ آ جائے تو چھوڑتے ہی نہیں۔ بڑی مشکل سے انگلیاں یوں یوں کر کے نکالنا پڑتا ہے ہاتھ۔ تو یہ تالیف قلب کا دور بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نئے آنے والوں پر اتنا مہربان ہوتا ہے کہ بندوں کو بھی حکم ہے کہ ان کی تالیف قلب کرو۔ یہ ذرا جیتنے کے محتاج لوگ ہیں اور خود بھی تالیف قلب فرماتا ہے اور حیرت انگیز طور پر بعض دفعہ ان کو نشان دکھاتا ہے۔ تو جب اس ہاتھ کی عادت پڑ جائے گی تو پھر یہ بھی نہیں چھوڑ سکیں گے۔ لیکن جب تک یہ ہاتھ اس ہاتھ میں نہ آ جائے جو خدا کا ہاتھ کہلاتا ہے اس وقت تک آپ کے ہاتھوں میں تو محفوظ نہیں ہیں۔ آج ہے کل نکل جائے گا ہاتھ سے۔ آپ کو کب توفیق ہے کہ سارا دن تمام سال بھر آپ روزانہ ان کی فکر کریں مہینے میں ایک دو دفعہ بھی فکر کا آپ کے پاس وقت نہیں رہتا اب تو رفتار بھی بہت پھیل چکی ہے۔ لکھو کھہا کی تعداد میں لوگ احمدیت قبول کر رہے ہیں اور ہر قوم سے' ہر مذہب سے' ہر زبان بولنے والوں میں سے آ رہے ہیں تو ان کو آپ کیا سمجھائیں گے؟ کیسے کیسے ان کی طرف توجہات کا حق ادا کریں گے۔

ایک ہی طریقہ ہے کہ خدا کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ تھما دیں۔ اور رمضان مبارک میں یہ کام ہر دوسرے دور سے زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں ان کو روزے رکھنے کی تلقین کریں۔ روزے رکھنے کے سلیقے سکھائیں۔ ان کو بتائیں کہ اس طرح دعائیں کرو اور اللہ دعاؤں کو سنتا ہے لیکن اس سے عہد باندھو کہ تم اس کو چھوڑو گے نہیں۔ اصل مقصد مذہب کا خدا سے ملانا ہے۔ اگر کوئی مذہب باتیں سکھاتا ہے اور قیدوں میں مبتلا کر جاتا ہے مگر خدا کا قیدی نہیں بناتا تو ایسے مذہب کا کیا فائدہ۔ جتنے زیادہ بندھن ہوں اتنا ہی وہ مذہب مصیبت بن جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ بندھن خدا کی محبت کے بندھن ہوں تو پھر وہ مصیبت نہیں وہ رحمت ہی رحمت ہے وہ عشق کے بندھن ہونے چاہئیں۔ پس ہر وہ شریعت جس پر عمل ظاہری ہو وہ ایسی غلامی کے بندھن ہیں جن کے ساتھ اللہ کی محبت کا تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگ ظواہر پرست ہو جاتے ہیں ظاہری چیزوں کے غلام ہو جاتے ہیں ان کی شریعت ان کو کچھ بھی نہیں فائدہ پہنچاتی۔

بقیہ صفحہ 16 پر

رسید مژدہ کہ ایام نوبہار آمد

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ شعبان کے آخری روز خطبہ ارشاد فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"اے لوگو! کل تم پر ایک بڑا عظمت والا مہینہ چڑھنے والا ہے۔ وہ بابرکت مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں ایک ایسی رات بھی ہے جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض قرار دیئے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (تہجد) کو خاص نفلی عبادت قرار دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی نفلی نیکی بجالاتا ہے تاکہ اسے قرب الٰہی نصیب ہو اس نے گویا دوسرے مہینوں میں فرض ادا کردیا ہے اور جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرتا ہے اس نے گویا کہ ستر سال کے فرائض ادا کردیئے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنت ہے۔ یہ باہمی ہمدردی کا ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے۔ جو شخص اس ماہ میں کسی روزہ دار کی افطاری کرواتا ہے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اس کی گردن جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے اور اسے روزہ دار ہی کی طرح ثواب ملتا ہے۔ ہاں روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔"

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہر ایک شخص کو یہ توفیق کہاں کہ وہ روزہ دار کی افطاری کرا سکے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔

"یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو دیتا ہے جو کسی روزہ دار کی افطاری دودھ کے گھونٹ سے یا کھجور سے یا پانی کے گھونٹ سے کرواتا ہے۔ ہاں جو روزہ دار کو پوری طرح سیر کرتا ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا پلائے گا کہ اسے جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہ لگے گی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔

"یہ ایسا مہینہ ہے جس کا پہلا حصہ رحمت، درمیانی مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے۔ اس مہینہ میں جو شخص اپنے غلام یا خادم کے کام میں تخفیف کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بخشش عطا فرمائے گا اور جہنم سے آزادی بخشے گا۔" (بیہقی)

(بحوالہ مشکوۃ المصابیح)

روزہ اور نماز

آئے دن کے فتنوں سے نجات کا ذریعہ

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز فرماتے ہیں :-

"ایک اور حدیث میں درج ہے' صحیح بخاری میں' کہ روزہ فتنوں کا کفارہ ہے- عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ عُمَرَ- حذیفہؓ نے بیان کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فقال حضرت عمرؓ نے کہا اَیُّکُمْ یَحْفَظُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ- تم میں سے کون ہے جسے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ قول یاد ہے فی الفتنۃ فتنے کے متعلق- یعنی چونکہ بہت سے فتنوں نے آنا تھا اور بعض صحابہ کو خصوصیت سے شوق تھا کہ وہ فتنوں کی باتوں کو ازبر کرلیں تاکہ دنیا کو متنبہ کر سکیں کہ ایسے ایسے فتنے پیدا ہونے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس مضمون کو صحیح رُخ پر چلانے کے لئے یعنی فتنے سے مراد یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں قتل و غارت ہوگا' لوگ بھاگے پھریں گے' افراتفری پیدا ہو جائے گی ان باتوں کا شوق ہو گیا ہو گا لوگوں کو' جیسے نجومیوں کے پیچھے جاتے ہیں بتاؤ آئندہ کیا ہونا ہے- حضرت عمرؓ نے ان خیالات کا رُخ صحیح جانب پھیرا ہے اس حدیث میں - فرمایا' تمہیں کوئی رسول اللہ ﷺ کی باتیں یاد ہیں فتنے سے متعلق- فقلت' حذیفہ بھی ان میں سے ہیں جن کو شوق تھا بڑی فتنوں کی حدیثیں یاد کی ہوئی ہیں ہم نے- حذیفہؓ نے کہا ہاں مجھے' میں نے فتنے کی باتیں سنی ہوئی ہیں- قَالَ اِنَّکَ عَلَیْہِ اَوْ عَلَیْھَا لَجَرِیٌ کہ تم ان باتوں کے اوپر بڑے دلیر ہو- جری بہادر کو کہتے ہیں- اب اس دلیری میں بظاہر ایک تعریف بھی ہے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ تم ضرورت سے زیادہ بہادر بنے پھرتے ہو- ان فتنوں کی باتوں کو سمجھے بغیر ارد گرد بیان کرتے پھرتے ہو اور دلیری دکھاتے ہو اور حذیفہؓ کو سمجھانا مقصود تھا- فرمایا انک علیہ او علیھا لجری جب یہ بات سنی تو حذیفہ کو ہوش آگئی اور جو فتنے کی حقیقت تھی جس کے لئے کسی فساد کے زمانے کے دیکھنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں- وہ دائمی حقیقت رسول اللہ ﷺ بیان کر چکے تھے اور ان کو نصیحت فرمائی تو اب دیکھنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں دائمی حقیقت رسول اللہ ﷺ بیان کر چکے تھے اور ان کو شوق تھا دوسری باتیں کرنے کا- حضرت عمرؓ نے جب ایک قسم کا ڈانٹا اور حقیقت حال کی طرف توجہ کرنے کی نصیحت فرمائی تو اب دیکھیں وہی حذیفہؓ کیا بات کرتے ہیں وہ کہتے ہیں- قلت فتنۃ الرجل فی اھلہ و مالہ و ولدہ رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انسان کا فتنہ اس کے اھلہ اپنے اہل و عیال میں ہے ومالہ اور اپنے مال میں ہے وولدہ اور اپنی اولاد میں ہے وجارہ اور اپنے پڑوسی میں ہے تکفرھا الصلوۃ والصوم والصدقۃ والامر والنھی- اب اس کا جو ترجمہ دیا گیا ہے اس میں یوں لگتا ہے جیسے کفارہ ہے وہ کفارہ نہیں ہے- تکفر کا مطلب ہے اس کو دور کرتا ہے' ہٹاتا ہے- پس آنحضرت ﷺ نے جو اصل فتنہ بیان فرمایا ہے اور اس سے مومن کو ہمیشہ کے لئے متنبہ کر دیا وہ یہ فتنہ ہے- یہ مراد نہیں کہ تم ایسے زمانے میں آؤ جس میں ہر طرف فساد پھیلا ہو تب تم ان باتوں کی طرف توجہ کرو کیونکہ فتنے کا جو علاج بتایا ہے یہ روزمرہ کی مومن کی زندگی ہے اور اصل فتنہ ہے ہی وہی - اگر یہ گھر کا فتنہ ٹھیک ہو جائے' اگر آپ اپنے اہل و عیال کو صحیح راستہ پر ڈال دیں تو اس سے

بہتر اور کوئی فتنوں کا علاج نہیں ہے۔ پس وہی حذیفہ جن کی اکثر حدیثیں لوگ ایسے ایسے فتنوں کے متعلق پیش کرتے ہیں جن سے انسان کی عقل چکرا جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی نصیحت کو سمجھ گئے اور اس فتنے کی بات کی جو سب سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور وہ فتنہ ان کو یاد تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فرمایا ہوا ہے۔ پس حدیثوں پر غور کرنے اور ان میں ڈوبنے سے بڑے بڑے مطالب ہاتھ آتے ہیں۔ سر سری باتیں کر کے گزر جائیں تو آپ کو کچھ بھی سمجھ نہیں آئے گی۔ پس رسول اللہ کا کلام جیسے کہ میں نے عرض کیا ہے خود بولتا ہے، عظیم الشان معانی اپنے اندر رکھتا ہے۔

پس اس فتنے کی فکر کرو جو تمہارے گھروں میں ہورہا ہے، تمہارے بچوں کی صورت میں رونما ہورہا ہے، تمہارے اموال کی صورت میں رونما ہورہا ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے الصلوۃ والصوم دو ہی چیزیں ہیں۔ نمازوں سے گھر کو بھردو اور جب رمضان کے مہینے کے روزے آیا کریں اور ویسے بھی اپنے گھروں کو روزوں سے بھردیا کرو، ہر قسم کے فتنے سے نجات پاؤ گے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 26 دسمبر 97ء)

مَحبّت

(کلام حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ)

مجھ پہ اے جان چھا گئے ہو تم
دل میں میرے سما گئے ہو تم

پھرتے رہتے ہو میری آنکھوں میں
جب سے جلوہ دکھا گئے ہو تم

قلبِ ویراں میں میہماں رہ کر
اس کو کعبہ بنا گئے ہو تم

کان ہیں جن سے اب تلک مسحور
ایسے نغمے سُنا گئے ہو تم

پھول جھڑتے تھے مُنہ سے باتوں میں
کیسی نکہت اُڑا گئے ہو تم

ہو کے فکر و خیال پر حاوی
دین و دُنیا بُھلا گئے ہو تم

ذہن سے جو کبھی اُتر نہ سکے
ایسا نقشہ جما گئے ہو تم

آبِ رحمت کے ایک چھینٹے سے
میرا دوزخ بُجھا گئے ہو تم

نقشِ شرک و دوئی مِرے دل سے
اپنے ہاتھوں مٹا گئے ہو تم

عشق شاید اسی کو کہتے ہیں
اِک لگن جو لگا گئے ہو تم

ڈال کر اک نظر محبّت کی
مجھ سا بگڑا بنا گئے ہو تم

("بخارِ دل" صفحہ ۱۴۸)

قسط دوم

ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا ہم نے

خزانے تقسیم کرنے والا ــــــ امام مہدی

پانچ لاکھ روپے کے انعامات کی تفصیل

(تحریر و ترتیب: سید مبشر احمد ایاز مدیر "خالد")

☆...... کسی قدر انعام

قرآن اور وید کے معارف لکھنے پر مقابلہ 'اس پر حضور نے آریہ مضمون نگار کو "کسی قدر" انعام کا کہا۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۴۶،۲۴۸ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۲۹۶۔۲۹۸)

☆...... "کل جائیداد"

ڈاکٹر مارٹن کلارک سے مباحثہ اور مباہلہ ہو صرف آسمانی نشان کے لئے دعا کی جائے اور اگر سال میں کوئی نشان ظاہر نہ ہو تو نصف جائیداد' حضور نے پھر نصف کی بجائے "کل جائیداد" دینے کی پیشکش کی۔

(حجۃ الاسلام صفحہ ۸' صفحہ ۳۰ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۴۸' ۷۰)

☆...... رقم کثیر

ایک عیسائی کو مخاطب کر کے لکھا جس قدر راستی اور سچ بولنے کی تعلیم قرآن میں ہے انجیل میں بھی اس کا ہونا ثابت کرو تو رقم کثیر انعام پاؤ۔

(نور القرآن نمبر ۲ صفحہ ۷' ۲' روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۰۲)

قارئین کرام آپ نے ابھی جن انعامات کی تفصیل پڑھی ان انعامات کی مجموعی رقم پانچ لاکھ روپے سے بھی اوپر نکل جاتی ہے اس کے لئے اس کو کئی پہلوؤں سے دیکھنا ہوگا۔

الف: وہ رقم جو حضور کی طرف سے معین کی گئی وہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار سات سو ستاسی روپے پچاس پیسے بنتی ہے۔

ب: دوسری رقم وہ ہے جو بظاہر تو ایک سو بیاسی روپے بنتی ہے مثلاً -/25 روپے فی آیت' -/50 روپے فی اعتراض' -/5 روپے فی غلطی اور -/100 فی پیشگوئی جو غلط ثابت ہو لیکن دراصل یہ رقم ہزاروں سے متجاوز کر جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ اس وقت کے علماء کو دیکھیں تو وہ یہ شور ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی تحریرات تو غلطیوں سے بھری پڑی ہیں۔

پھر حضور قرآن مجید پر اعتراض کرنے والوں سے مخاطب ہوتے ہیں کہ لاؤ بڑے بڑے اعتراض پیش تو کرو اگر جواب نہ ملے' وہ اعتراض ختم نہ ہو تو پچاس روپے فی اعتراض دیئے جائیں گے اب فرض کریں ایک سو اعتراض بھی پیش کریں تو پانچ ہزار روپے تو یہ ہو جاتے ہیں۔

پھر مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب جو یہ کہتے ہیں کہ حضور کی کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو حضور نے فرمایا کہ قادیان آؤ اور پیشگوئی ایک ایک کر کے میں پیش کرتا ہوں جو پیشگوئی پوری نہ ہو تو سو روپے فی پیشگوئی دوں گا۔ حضور نے یہ پیشگوئیاں مختلف کتب میں درج بھی فرمائی ہیں مثلاً نزول المسیح' تریاق القلوب اور حقیقۃ الوحی

وغیرہ۔ حقیقۃ الوحی میں حضور نے دو سو سے زائد پیشگوئیاں لکھی ہیں۔ اب ثناء اللہ امرتسری صاحب کے پاس بیس ہزار روپیہ تو آ ہی جاتا۔ تو اس اعتبار سے -/182 روپے دراصل تیس چالیس ہزار روپے تک چلے جاتے ہیں۔

لیکن اس مضمون میں رقم صرف -/182 روپے ہی شمار کی گئی ہے تو اس طرح اس ایک سو بیاسی کو گزشتہ رقم میں جمع کریں تو یہ رقم ہوتی ہے۔ ایک لاکھ باسٹھ ہزار نو سو اکہتر روپے پچاس پیسے۔

ج : تیسری ایک بہت بڑی رقم ہے جو حضور نے پیغام صلح میں ذکر کی ہے اور وہ ہے تین لاکھ روپے۔ تو اس کو شامل کریں تو چار لاکھ باسٹھ ہزار نو سو اکہتر روپے پچاس پیسے بنتی ہے۔

د : لیکن ابھی ایک اور حساب رہتا ہے اور وہ یہ کہ اس مذکورہ بالا رقم کے علاوہ کچھ انعامی رقوم وہ ہیں جن کو حضور نے ہندسوں میں معین نہیں کیا۔ مثلاً "کسی قدر روپیہ"۔ "رقم کثیر" اور "کل جائیداد"۔ اس اعتبار سے تیس پچاس ہزار روپے اس کے بھی بن جاتے ہیں اور یوں پانچ لاکھ سے کہیں زائد رقم بن جاتی ہے۔

ھ : اور یہ تو حساب ہے صرف حضور کے زمانے تک کا۔ حد میں خلفائے سلسلہ نے گاہے گاہے ان انعامی رقوم میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے بڑھایا بھی۔ مثال کے طور پر صرف ایک کا ذکر ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بصرہ العزیز نے مسیح کے زندہ آسمان پر جانے اور پھر آنے کو ثابت کرنے پر ایک کروڑ روپے کا چیلنج دیا۔ تو اس حساب سے یہ رقم آج کے زمانے میں تو کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے اور اس طرح بھی کہ ایک روپے کی قیمت میں اس زمانے میں کیا ہوگی تو اس حساب سے اب بہت زیادہ رقم ہو جاتی ہے۔

یہ تو مختصر ذکر تھا آئندہ اقساط میں ان کی تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی

بقیہ از صفحہ 10

کورے کے کورے، سخت دل کے سخت دل، انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے عاری اس دنیا سے گزر جاتے ہیں۔ کچھ بھی فائدہ ان کو نہیں ہوتا۔

لیکن وہ بندھن اگر خدا کی محبت کے بندھن میں تبدیل ہوں اور اس وجہ سے ہوں۔ اللہ کی خاطر ایک انسان اپنے آپ کو پابند کر رہا ہے اور اس کی محبت کی خاطر کر رہا ہے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ پھر وہ عبد بنتا ہے، پھر وہ غلام ہوتا ہے ورنہ روز مرہ کی ٹکسالی کے طور پر کام کرنے والے کہاں غلام ہوتے ہیں۔ بس اس معنی میں ان کی تربیت کریں، ان کو سمجھائیں اور پھر چھوٹے موٹے روز مرہ کے رمضان کے آداب بھی تو بتائیں۔ روزے کیسے رکھے جاتے ہیں؟ کیوں رکھے جاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اس سلسلے میں جو نصیحتیں فرمائیں ان سے کچھ ان کو آگاہ کریں تو رفتہ رفتہ ان کی تربیت ہوگی اور اگر ان کو یہ تجربہ رمضان میں ہو گیا کہ ان کو لیلۃ القدر نصیب ہو گئی یعنی وہ رات آئی ہے جو رات کہلاتی ہے مگر سب سے زیادہ منور ہے اور سب سے زیادہ روشنیاں اور دائمی روشنیاں پیچھے چھوڑ جاتی ہے؟ تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ آپ کو سنبھالنے والے بن جائیں۔ آپ کو ان کو سنبھالنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ایسے لوگ میں نے دیکھے ہیں۔ جب احمدیت میں ان میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے، وہ ہر ابتلاء سے اوپر نکل جاتے ہیں کوئی ٹھوکر ان کے لئے ٹھوکر نہیں رہتی وہ یہ نہیں کہتے کہ دیکھو جی فلاں یوں کر رہا ہے انہوں نے ہمیں احمدیت دی، اپنا یہ حال ہے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا ان سے بہتر نمائندہ سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی فکر کرتے ہیں۔ ان کی تربیت کرتے ہیں ان کو سمجھاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جن کی ہمیں آج ضرورت ہے دنیا کو سنبھالنے کے لئے۔ اگر ایسے ہی رہنے دیا گیا کہ ہر وقت آپ ہی نے ان کو سنبھالے رکھنا ہے تو آپ کی طاقت میں تو یہ سنبھالنا بھی نہیں انہوں نے پھر آگے دنیا کو کیا سنبھالنا ہے۔ اس لئے رمضان سے یہ فائدہ اٹھائیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ فروری ۱۹۹۵ء)

رمضان عبادتوں کے گُر سکھانے والا مہینہ

نمازوں کے بغیر انسان میں کوئی جان نہیں

فرماتا ہے۔"اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں "وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ" اور راتوں کے اور دن کے آپس میں ادلنے بدلنے میں "لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ"۔جو اہل عقل ہیں خدا کے نزدیک ان کے لئے ان میں بہت سے نشانات ہیں اور وہ نشانات کیا ہیں۔"اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا" وہ کچھ دیکھتے ہیں دنیا میں جس کے نتیجے میں راتوں کو اٹھ کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور "قُعُوْدًا" کبھی وہ بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں، کبھی کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں۔یہ مضمون دیکھیں کیسا واضح طور پر اس مضمون سے خدا تعالیٰ نے ملایا ہوا ہے۔

فرمایا امن هو قانت اناء الیل ساجدا وقائما کیا وہ شخص جو راتوں کو اٹھتا ہے کبھی کھڑے ہو کے خدا کو پکارتا ہے، کبھی سجدہ ریز ہو کر دعائیں کرتا ہے اور خدا کا خوف اس کے دل پر غالب رہتا ہے اور اپنی ہر آرزو کو خدا کے حضور پیش کرتا ہے کیونکہ اس کے سوا وہ کسی اور چوکھٹ کی طرف نہیں جاتا، اسی سے امید رکھتا ہے اسی سے دنیا کے شر سے بچنے کی خاطر توقع رکھتا ہے۔پس ہر خوف خدا کے تعلق میں ہے۔ہر خواہش، ہر تمنا اللہ کے تعلق میں ہے۔فرمایا یہ لوگ ہیں جو یعلمون جاننے والے ہیں۔"انما یتذکر اولوا الالباب" وہی بات جو دوسری آیت میں تھی اس آیت میں بھی بیان فرمائی کہ نصیحت تو صرف اولی الالباب پکڑا کرتے ہیں ورنہ کوئی نصیحت نہیں پکڑتا۔

تو آپ سے میں پھر ان آیات کے حوالے سے اب گذارش کرتا ہوں کہ یہاں جو مرکزی نکتہ ہے وہ عبادت کا ہے اور عبادت میں رات کا حوالہ دیا ہے دن کا حوالہ نہیں ہے کیونکہ رات کی عبادت خدا کے حضور خالص ہونے کی ایک خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔دن کی عبادتوں سے انکار نہیں مگر رات کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ تم اگر واقعۃً اللہ سے پیار کرتے ہو، حقیقت میں اس سے تعلق ہے تو ایسے وقت میں بھی اس کے حضور اٹھو گے جب دنیا کی آنکھ تمہیں دیکھ ہی نہیں رہی۔بسا اوقات گھر میں بیوی بچے سوئے ہوئے ہیں ان کو بھی پتہ نہیں کہ کون اٹھا ہے، کیوں اٹھا ہے اور وہ اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے اور اس کے خوف سے ڈرتے ہوئے، اس سے ہر خیر کی امید لگائے بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے بھی اس کی عبادت کرتا ہے سجدے میں بھی اس کی عبادت کرتا ہے تو یہ عبادت کے خلوص کی طرف اشارہ ہے۔

پس رمضان مبارک نے آپ کو عبادت کے گُر سکھا دیئے ہیں۔اگر آپ نے خود نہیں سیکھے تو سیکھنے والوں کو دیکھا ضرور ہے۔کوئی مسلمان گھر شاذ ہی ایسا ہو جہاں کوئی بھی عبادت نہ کی جا رہی ہو رمضان میں، جہاں کوئی بھی روزہ رکھنے والا نہ ہو۔اگر ایسا ہے تو وہ بعید نہیں کہ آج اس جمعۃ الوداع میں بھی حاضر نہ ہوئے ہوں اس لئے اُن تک نہ تو میری آواز پہنچے گی نہ وہ میرے مخاطب ہیں۔میں اُن سے بات کر رہا ہوں جن کے سینے میں کچھ ایمان کی رَمق ضرور ہے اور خدا تعالیٰ نے ایمان کی اس رمق کو ہمیشہ پیار کی نظر سے دیکھا ہے ایک چنگاری تو روشن ہے، ایک امید تو ہے۔پس میں ان سے مخاطب ہوں

جن کے سینہ میں یہ امید کی چنگاری روشن ہے۔ابھی تک اگر راکھ تلے دب بھی گئی ہے تو اندر یہ کوئلہ ابھی جل رہا ہے اور زندہ ہے۔

پس اس پہلو سے آپ کو میں متوجہ کرتا ہوں کہ رمضان کی یہ برکتیں جو لوگوں نے جو دن کو عبادت کرتے تھے راتوں کو نہیں اٹھا کرتے تھے ان برکتوں نے انہیں راتوں کو اٹھنا بھی سکھا دیا۔ انہیں خدا کے حضور وہ اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق بخشی جو عام دنوں میں نصیب نہیں تھی۔رمضان نے گناہوں سے بچنے کی ایک بہت بڑی توفیق عطاء فرمائی جو وقت کے لحاظ سے مشروط ہی سہی مگر توفیق ضرور ملی وہ لوگ جو اپنی بدعادتوں کو چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے یا چھوڑنے کی طاقت نہیں رکھتے ایک محدود وقت کے لئے جو سحری سے لے کر افطار تک چلتا ہے مجبور ہوتے ہیں ان باتوں سے رکے رہتے ہیں تو رمضان نے سہارا دیا ہے' رمضان نے آپ کو نیکی کے کاموں پہ چلنے کے لئے وہ سوٹا مہیا کر دیا جس کی ٹیک لگا کر آپ رفتہ رفتہ آگے بڑھ سکتے ہیں' اسے چھوڑ نہ دیں بالکل۔لولوں لنگڑوں کی طرح پھر وہیں نہ بیٹھ رہیں جہاں بیٹھے ہوئے اپنی عمر ضائع کی۔ اس لئے آج پروگرام بنائیں اور فیصلہ کریں۔اس پانی کو اکٹھا کرنا ہے اس سے فیض حاصل کرنا ہے اس لئے میں معین طور پر آج نئے آنے والوں سے مخاطب ہوتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ وہ نماز کے متعلق ایک فیصلہ کریں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ بغیر نماز کے انسان مردہ ہے اس میں کوئی بھی جان نہیں۔یہ وہم ہے کہ ایک نمازیا ایک جمعہ کی نمازیا ایک رات کا قیام ان کی تمام عمر کے خلاء کو پُر کر سکتا ہے۔آئندہ آنے والے خلاء پر کیا کرنا ہے پچھلے نہیں کیا کرتا' پچھلوں سے بخشش ہوتی ہے لیکن جو زندگی کی روح اترتی ہے وہ آئندہ آنے والے دنوں پہ اترا کرتی ہے۔پس اگر آئندہ نہیں اتری تو پچھلی بخشش بھی نہیں ہوگی۔یہ وہم ہے صرف اگر بخشش ہے تو لازماً رمضان کے بعد زندگی میں ایک نمایاں پاک تبدیلی ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر بخشش کا تصور ہی محض ایک بچگانہ تصور یا ایک احمق کی خواب ہے۔

پس اپنے لئے ایک لائحہ عمل بنائیں نمازیں پڑھنے کی طرف متوجہ ہوں۔اگر آپ کو نماز آتی نہیں تو اپنے کسی بھائی' ساتھی سے پتہ کریں۔ انصار اللہ' خدام الاحمدیہ' لجنات اس طرف توجہ کریں ان سب لوگوں تک جہاں تک ممکن ہے پہنچنے کی کوشش کریں اور ان سے کہیں کہ اگر تم نے کچھ سبق سیکھنے ہیں' طریقے معلوم کرنے ہیں ہم حاضر ہیں مگر کچھ نہ کچھ نماز ضرور شروع کرو۔ اگرچہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے مجھے کوئی حق نہیں کہ میں کہوں کچھ نہ کچھ مگر میں جانتا ہوں کہ انسان کمزور ہے اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے اسی لئے اس نے کچھ اس قسم کی رعایتیں دے رکھی ہیں کہ حسب توفیق آگے بڑھو تھوڑا تھوڑا نیکی کی طرف آگے بڑھنا شروع کرو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری طرف زیادہ تیزی سے آگے بڑھے گا۔ تو یہ مراد نہیں کہ نعوذباللہ میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ پانچ نمازیں فرض ہیں ایک ہی پڑھا کریں۔میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر پانچ کسی صورت نہیں پڑھ سکتے تو خدا کے لئے ایک تو پڑھیں۔یہ ویسی ہی بات ہے جیسے پانچ وقت کا کھانا میسر نہیں تو چوبیس گھنٹے میں ایک وقت کی روٹی تو مل جائے' یہ مراد نہیں کہ پانچ وقت کی ضرورت نہیں ہے۔پس آپ اور کچھ نہیں اول تو پانچ کے لئے کوشش کریں یہ عہد کریں کرلیں کہ ہم نے نماز ضرور پڑھنی ہے۔ نمازیں شروع میں خالی رہیں گی' رفتہ رفتہ بھریں گی۔ یہ خیال غلط ہے کہ نماز پڑھتے ہی آپ عرش معلٰی کی سیریں کرنے لگ جائیں گے۔

(خطبہ جمعہ 7 فرمودہ فروری 97ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل)

چندہ کی ادائیگی جلد کردیں

آپ کے چندہ کی مدت خریداری باہر ایڈریس کی چٹ پر لکھی گئی ہے۔براہِ کرم اپنا چندہ ختم ہونے سے قبل ہی آئندہ کے لئے چندہ کی ادائیگی کر کے ممنون فرمائیں تاکہ آپ کو رسالہ کی ترسیل جاری رہے۔چندہ ختم ہونیکی صورت میں رسالہ کی ترسیل بند کر دی جاتی ہے۔

(مینجر)

افطاری

رمضان کی دعائیں حاصل کرنے کا ایک ذریعہ۔ لیکن......

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایک اہم قابل اصلاح امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"......رمضان میں افطاریاں کرانے کا رواج چل پڑتا ہے جو بسا اوقات اس مقصد کے خلاف ہو جاتا ہے جو میں اب بیان کر رہا ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کھانا کھلانا افطاری کرانا چونکہ ثواب کا کام ہے اس لئے ہم جتنی زیادہ سجا سجا کر افطاریاں کرائیں گے لوگوں کو بھیجیں گے اتنا ہی ہمارا رمضان کامیابی سے گزرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ افطاری کروانا ایک نیکی کا کام ہے اور غریب کو روزہ رکھوانا بھی ایک نیکی کا کام ہے۔ مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایسی نیکی نہ کرو، فرماتا ہے لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم کہ جو خدا تعالیٰ نے تمہیں نعمتیں عطا فرمائی ہیں مختلف صورتوں میں۔ بعض دفعہ خدا تعالیٰ اس زمانے میں جہاد کے نتیجے میں بہت سی کثرت سے دولتیں صحابہ کو عطا کرتا رہا تو اس کے مصارف کا بیان کرتے ہوئے یہ متوجہ فرمایا لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم جب خدا تعالیٰ تمہیں باحیثیت بنائے تمہارے اموال میں برکت دے تو تحفے دینے کا اس دولتمند ہونے سے یا خدا تعالیٰ کی نعمتیں حاصل ہونے سے طبعی تعلق ہے۔ ہر امیر تو یہ نہیں کرتا بعض امیر تو اور بھی کنجوس ہوتے جاتے ہیں۔ مگر عام طور پر جس کے اچھے دن آئیں، جس کو خدا تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے، وہ چاہتا ہے کہ اپنے بھائی کو بھی اس سے خوش کرے اس کا بھی حصہ ڈالے تو اس زمانے میں جب خدا تعالیٰ کسی قوم کے دن بدل رہا ہوتا ہے ان کو دنیاوی نعمتیں عطا کرتا ہے تو ایک دوسرے کو تحائف دینا ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کرنے کا جو رواج ہے یہ از خود تقویت پا جاتا ہے۔ اس تعلق میں فرمایا لیکن یہ یاد رکھنا "لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم یہ نہ ہو کہ تم امیروں کو ہی بھیجتے رہو چیزیں۔ جب خدا نعمتیں عطا کرتا ہے تو وہ دولت جو امیروں کی سطح پر اوپر اوپر گھومتی رہے اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تمہارے معاشرتی تقاضے ہیں تمدنی تقاضے ہیں۔ جب تم ایک خاص سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہو تو آپس میں ایک دوسرے کو تحفے دینا یہ خدا کی خاطر نہیں ہوا کرتا۔ اگر خدا کی خاطر تحفے دینے ہیں تو اوپر سے نیچے کی طرف تحفے بہاؤ۔ اور وہ لوگ جو مجبور اور غریب ہیں اگر پوری طرح نہیں تو نسبتاً غریب ہیں ان کو دیا کرو۔ تو جہاں تک فدیے کا تعلق ہے یہ تو آپ باہر بھیج سکتے ہیں مگر افطاریاں باہر نہیں بھیج سکتے اور اس کا بھی بڑا رواج ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ افطاریاں اپنے سے امیروں کو یا اپنے ہم پلہ امیروں کو بھیجنے کی بجائے ڈھونڈیں کہ نسبتاً کون مسکین لوگ ہیں خدا کے۔ اور یہ مسکینی جو ہے یہ ایک نسبتی چیز ہے۔ ضروری نہیں کہ ایسا غریب ہو کہ اس کو صدقہ ہی دیا جائے۔ حالات الگ الگ ہیں بعضوں کو کم ملتا ہے بعضوں کو زیادہ ملتا ہے۔ تو وہ لوگ جو خدا کی خاطر کسی کو خوش کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ ڈھونڈیں ایسے لوگ جن کا کھانے پینے کا معیار روزمرہ کا اتنا اونچا نہیں جتنا ان کا ہے۔ اور وہ اگر ان کو بھیج دیں تو اس آیت کے مضمون کے مطابق وہ اپنے

ہی جیسے دولتمندوں میں دولت کے چکر لگانے کے مترادف نہیں رہے گا۔ پس افطاریوں میں بھی بہتر یہی ہو کہ آپ اپنے ہمسایوں کو دیکھیں اردگرد جگہ تلاش کریں اور روز مرہ واقف جو آپ کو دکھائی دیتے ہیں ان کو بھیجیں مگر صدقے کے رنگ میں نہیں۔ کیونکہ افطاری کا جو تعلق ہے وہ صدقے سے نہیں ہے۔ افطاری کا تعلق محبت بڑھانے سے ہے اور رمضان کے مہینے میں اگر آپ کچھ کھانا بنا کے بھیجتے ہیں تو طبعی طور پر محبت بھی بڑھتی ہے اور دعا کی طرف بھی توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ اس عزت اور احترام سے چیز دیں کسی غریب کو یا ایسے شخص کو جو نسبتاً غریب ہے کہ اس میں محبت کا پہلو غالب ہو اور صدقے کا کوئی دور کا عنصر بھی شامل نہ ہو تو یہ وہ افطاری ہے جو آپ کے لئے باعث ثواب بنے گی اور آپ کے حالات بھی سدھارے گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس طرح اوپر اور نچلے طبقوں کے درمیان آپس میں محبت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

دوسری افطاری کی دعوتوں سے متعلق میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ افطاری ایک تو انسان بنا کر کسی کے گھر بھجوا دیتا ہے تاکہ اس دن دعا میں ان کو بھی شامل کر لیا جائے۔ وہ دیکھیں کہ فلاں نے ہم سے اتنا پیار اور محبت کا سلوک کیا۔ تو رمضان کی دعاؤں میں ایک یاددہانی کا کام بھی دیتی ہے افطاری۔ مگر جب آپ افطاری کی دعوتیں کرتے ہیں تو بعض دفعہ بالکل برعکس نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ روزہ کھول کے انسان ذکر الٰہی میں مصروف ہو قرآن کریم کی تلاوت کرے جو تراویح پڑھتے ہیں وہ تراویح کے لئے تیار ہو کر جائیں اس کی بجائے مجلسیں لگ جاتی ہیں جو بعض دفعہ اتنی لمبی چل جاتی ہیں کہ عبادتیں بھی ضائع ہونے لگتی ہیں اور اگر اس دن کی عشاء کی نماز پڑھ بھی لیں وقت کے اوپر تو دوسرے دن کی تہجد کی نماز پر اثر پڑ جائے گا۔

تو اسی لئے میں تو ذاتی طور پر افطاریاں کرنے کا قائل ہی نہیں ہوں۔ ربوہ میں بھی میرا یہی دستور تھا کہ اگرچہ لوگ بہت اصرار کیا کرتے تھے مگر میں اسی اصرار کے ساتھ معذرت کر دیا کرتا تھا کہ رمضان کے مہینے میں یہ مشاغل کرنا اس قسم کے یہ میرے نزدیک رمضان کے مقاصد سے تصادم ہے۔ اس سے ٹکرانے والی بات ہے۔ تو جو افطاریاں ہو چکیں پہلے ہفتے میں ہو گئیں، آئندہ سے توبہ کریں اور مجالس نہ لگائیں گھروں میں۔ مجالس وہی ہیں جو ذکر الٰہی کی مجلسیں ہیں اور افطاری کی مجلسوں کو میں نے کبھی ذکر الٰہی کی مجلسوں میں تبدیل ہوتے نہیں دیکھا۔ پھر وہ سجاوٹ کی مجلسیں بن جاتی ہیں اچھے کپڑے پہن کے عورتیں، بچے جاتے ہیں وہاں خوب پھر گپیں لگائی جاتی ہیں۔ کھانے کی تعریفیں ہوتی ہیں اور طرح طرح کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسرے دن اپنی تہجد کو ضائع کر دیتے ہیں اور پھر بے ضرورت باتیں بہت ہوتی ہیں۔ تو افطاری کا جو بہترین مصرف ہے وہ یہی ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ حتی المقدور یعنی منع تو نہیں ہے کہ اپنے ہم پلہ لوگوں کو جو دولت کے لحاظ سے یا اپنے سے بہتر لوگوں کو بھی تحفہ دیں۔ قرآن کریم نے یہ منع نہیں فرمایا کہ آپس کے ایک ہی دائرے میں بالکل نہیں کچھ بھیجنا۔ یہ فرمایا ہے کہ وہیں کا نہ ہو رہو۔ ایسے تحائف نہ دو کہ صرف ایک طبقے کے لئے خاص ہو جائیں اور وہ ایک دائرے میں گھومتے پھریں اور اوپر سے نیچے کی طرف اور نیچے سے اوپر کی طرف حرکت نہ کریں۔ تو ایک صحت مند جو خدا تعالیٰ نے نظام جاری رکھا ہے Ventilation کا، وہ اس افطاری کے تعلق میں بھی پیش نظر رہنا چاہئے اور اس طرح اگر آپ کچھ نہ کچھ نئے لوگوں کو بھی ڈھونڈ لیں جو آپ کے دائرے سے باہر اور نسبتاً غریبانہ حالت میں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ بات ایک مزید نیکی کا موجب بنے گی۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ جنوری ۹۷ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۷ مارچ ۹۷ء)

وہ مرے آنے پہ کرنا میزبانی آپ کی
جام الفت سے چھلکتی مے پلانی آپ کی

تیرے بن تو سانس لینا بھی یہاں دشوار ہے
اور پھر بھی جی رہا ہوں مہربانی آپ کی

آپ سے ملتا نہیں ہے ڈھونڈیئے لے کر چراغ
بادشاہی ہر جگہ پہ ہم نے جانی آپ کی

یہ زمین یہ آسماں یہ چاند سورج سب کے سب
ہر طرف بکھری ہوئی ہے یاں نشانی آپ کی

پتہ پتہ اس جہاں میں گیت گائے آپ کے
سن رہا ہوں ہر کسی سے میں کہانی آپ کی

جس جگہ بھی ہم رہیں بس تیری خاطر ہی جیئیں
ہر گھڑی دل میں رہیں یادیں سہانی آپ کی

درد دل سے جب پکارا آپ کو تو دفعۃً
ہوگئی حاصل ہمیں راحت رسانی آپ کی

ہر قسم کے یسر سے اور ہر طرح کے عسر سے
میری الفت گاہے گاہے آزمائی آپ کی

یہ تعلق مالکوں کا چاکروں سے واہ! واہ
خادموں کی شادمانی' شادمانی آپ کی

آپ کا ہوں میں بھی اور یہ سعی و حاصل بھی تمام
کامیابی ہو مری تو کامرانی آپ کی

آپ کی چاہت ہے میری عمر بھر کا ماحصل
زندگی میری بنی ہے زندگانی آپ کی

تیرے فضلوں کے مقابل بندگی بھی ہیچ ہے
پھر عبادت پر یہ اتنی قدردانی آپ کی

کس طرح تیرے سوا میری حفاظت ہو سکے
اس جہاں میں تو فقط ہے پاسبانی آپ کی

حمد ہے بس مالک ارض و سما کے واسطے
یہ دعا اپنی زباں سے خود سکھائی آپ کی

(مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب)

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب

(مکرم نصیب احمد بٹ صاحب۔ ربوہ)

حضرت عبدالمالک خان صاحب ابن حضرت ذوالفقار علی خان صاحب گوہر جماعت احمدیہ کے بے نفس اور باوفا خادم، جید عالم اور نامور مقرر تھے۔ حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب نے ایک مخلص واقف زندگی کی حیثیت سے تقریباً اڑتالیس سال سلسلہ کی خدمات کی توفیق پائی۔ بطور واقف زندگی آپ لکھنؤ، آگرہ، حیدر آباد دکن، لاہور، کراچی اور گھانا کے علاقوں میں خدمات بجالاتے رہے۔

حضرت محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب دینی علوم میں وسیع نظر رکھنے والی شخصیت تھے۔ ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ کے منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ مجلس کارپرداز کے صدر اور جماعت احمدیہ کی مجلس افتاء اور بورڈ قضا کے رکن تھے۔

خاندانی حالات

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کے والد محترم حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب کا آبائی وطن نجیب آباد ضلع بجنور تھا۔ جو یوپی میں واقع ہے۔ مولانا کے دادا ریاست رام پور (یوپی) میں اعلیٰ عہدے دار تھے۔ جو عرصہ دراز پہلے اہل خانہ کے ساتھ ترک وطن کرکے دوسرے عزیز رشتہ داروں کے ساتھ رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ مولانا ذوالفقار علی خان صاحب نے ابتدائی تعلیم رامپور میں ہی حاصل کی۔ پھر علی گڑھ تشریف لے گئے۔ جب مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر نے ابتدائی تعلیم ختم کی تو وہ بھی اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ تب خان ذوالفقار علی خان صاحب نے اپنے چھوٹے بھائیوں کو تعلیم کا موقعہ دیا اور خود سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ خود بی اماں نے بیوگی کے زمانہ میں بڑی سادہ زندگی بسر کی لیکن اولاد کو نہایت ناز و نعم سے پالا اور گو خود زیادہ تعلیم نہیں پائی تھی۔ صرف معمولی اردو نوشت و خواند اور قرآن مجید مع ترجمہ تک کی قابلیت تھی تاہم اولاد کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا۔ غالباً رام پور میں علی گڑھ کے پہلے گریجوایٹ خان ذوالفقار علی گوہر صاحب کے چھوٹے بھائی مولانا شوکت علی تھے۔

پیدائش و بچپن

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حضرت خان ذوالفقار علی خان صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "رفیق" تھے۔ خان صاحب کو حضور کی اس خواہش کا بڑا احترام تھا کہ لوگ اپنی اولاد خدا کی راہ میں وقف کریں۔ اس وجہ سے خان صاحب نے حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کو بچپن سے ہی وقف کر دیا تھا۔ ابتدائی تعلیم رام پور میں ہی حاصل کی۔ پھر انہیں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل کروادیا۔ سرکاری نوکری کی وجہ سے مکمل طور پر قادیان میں قیام نہ ہوسکنے کی بنا پر مولانا عبدالمالک خان صاحب کو ایک مرتبہ مدرسہ احمدیہ چھوڑنا پڑا۔

آپ بچپن میں کھیل کی طرف بھی مائل تھے۔ اپنے زمانے میں اچھے فٹ بالر اور والی بال میں بھی مضبوط جسم اور لمبا قد ہونے کی وجہ سے اچھی مہارت رکھتے تھے۔ اسی طرح میرو ڈبہ، کیرم بورڈ، تیراکی اور گتکے کا بھی شوق رکھتے تھے۔

یہ قرآن مجید سے لگاؤ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے عشق ہی تھا کہ آپ ایک علمی شخصیت کے روپ میں ابھرے۔ بچپن سے ہی ذیلی تنظیموں سے لگاؤ وقار عمل میں حصہ لینا اور بچوں کے ساتھ کھیلنا اور علمی مقابلوں میں حصہ لینا بھی آپ کے حصہ میں آیا اور پھر قادیان میں بزرگوں کی محفلوں میں بیٹھنا اور ان کے پاک کلمات سے مستفیض ہونا اور حضرت خلیفۃ المسیح کے لیکچر جو روح کو سرور دیتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء سے علم حاصل کرنے کی توفیق بھی

آپ کے حصہ میں آئی۔

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب مرحوم نے مدرسہ احمدیہ قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان ۱۹۳۲ء میں پاس کیا اور علم منطق میں نمایاں نمبر اور خصوصیت حاصل کی۔

مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کو ایک نہایت اعلیٰ ملازمت بحیثیت "نائب ناظم تعلیمات" حکومت پنجاب مل گئی اور آپ کی تنخواہ ایک سو دس روپے ماہوار مقرر ہوئی جو کہ درجہ اولی کے افسران کو ملا کرتی تھی۔ اس ملازمت کے شروع ہونے پر حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب نے اپنے والد محترم ذوالفقار علی خان صاحب کو خط لکھا تو خان صاحب نے جواباً تحریر فرمایا "میں نے تمہیں اس لئے نہیں پڑھایا کہ تم دنیا کماؤ۔ کسی ایک کو دین بھی کمانا چاہئے"۔ آخر پر لکھا۔

"جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"

وقف زندگی حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب نے اپنے والد صاحب کے خط موصول ہوتے ہی اپنی زندگی وقف کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اگلے دن ہی اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ وہاں کے افسران نے بہت سمجھایا اور یہ خیال کیا کہ جوانی کا عالم ہے اس لئے کہیں لا ابالی فیصلہ نہ کرلیا ہو مگر مولانا صاحب نے نہایت سوچ سمجھ کر اپنے لئے راہ خدا تجویز کی اور اپنے افسران کو جواب دیا کہ میں نے اپنے والد صاحب کو ہمیشہ تہجد پڑھتے دیکھا ہے اور انہوں نے مجھ سے ایک خواہش کی ہے اور میں احترام کرنا چاہتا ہوں تاکہ میں ان کی شبانہ ادعیہ کا وارث بن سکوں۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق آپ نے ایک سو دس روپے کی ماہوار نوکری کو لات مار کر قادیان واپس آکر مبلغین کلاس میں شمولیت اختیار کی اور ۱۹۳۵ء میں دنیا کو دھتکارتے ہوئے پندرہ روپے ماہوار پر خدا تعالیٰ کے سلسلہ کی نوکری قبول کرلی اور اس بات پر فخر کیا کہ اصل عزت وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔

اہل و عیال آپ کی شادی فیروزپور کے ایک نیک بزرگ محترم محمد یٰسین صاحب کی بیٹی محترمہ سرور سلطانہ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ اور چار صاحبزادیاں ہیں۔

(۱) مکرم عبدالرب انور محمود صاحب۔ (۲) محترمہ فرحت صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر صالح محمد الہ دین صاحب۔ (۳) محترمہ شوکت گوہر صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر لطیف احمد قریشی صاحب۔ (۴) محترمہ ڈاکٹر نصرت جہاں صاحبہ۔ (۵) محترمہ امۃ الحئی نفیلت صاحبہ اہلیہ مکرم سید حسین احمد صاحب مربی سلسلہ۔

خدمات سلسلہ حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو جامعہ احمدیہ سے باقاعدہ مربی بنے۔ ۱۹۳۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کو صوبہ جات متحدہ میں بطور مربی کے تعینات کیا۔ اس عرصہ میں حیدرآباد دکن اور لکھنؤ اور یوپی میں مربی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ کچھ عرصہ لاہور میں رہے اور واپس ہندوستان جانے کی کوشش کرتے رہے لیکن اجازت نہ ملی۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں آپ کراچی میں مربی متعین ہوئے اور ایک لمبا عرصہ خدمات بجالاتے رہے۔

جون ۱۹۶۱ء میں آپ مغربی افریقہ غانا میں بطور (مربی) گئے اور غانا میں آپ خدمات سلسلہ بجالائے۔ ذیابیطس ہونے کے سبب حضور نے آپ کو واپس بلالیا۔ ۲۲ اگست ۱۹۶۴ء کو آپ واپس ربوہ آگئے اور وکالت تبشیر میں حاضر ہوگئے۔ ۲۳ اگست ۱۹۶۴ء کو وکالت تبشیر نے آپ کو وکالت دیوان میں منتقل کردیا اور ۴ نومبر ۱۹۶۴ء کو آپ کو صدر صدر انجمن احمدیہ نے اصلاح و ارشاد مرکزیہ کے تحت دوبارہ کراچی میں مربی متعین کیا۔ فروری ۱۹۷۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ارشاد کے مطابق نائب ناظر اصلاح و ارشاد مقرر ہوئے۔ یکم مئی ۱۹۷۱ء کو آپ ناظر اصلاح و ارشاد کے عہدے پر فائز ہوئے اور پھر تا دم آخر اس شعبہ سے منسلک رہے۔ اصولاً آپ نومبر ۱۹۷۲ء

میں ریٹائر ہو گئے تھے مگر بطور ناظر اصلاح و ارشاد ۱۹۸۳ء تک REEMPLOY ہوتے رہے اور افسر جلسہ گاہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

جذبہ دعوت الی اللہ

جذبہ دعوت الی اللہ جو ایک واقف زندگی کا زیور ہے آپ اس سے مالا مال تھے۔ دعوت الی اللہ کا ہی جوش تھا کہ گھر سے سبزی لینے جاتے تو رات کو واپس خالی ہاتھ آجاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"میری بیوی کو ہمیشہ مجھ سے شکایت ہوتی تھی کہ تم پیسے لے کر جاتے ہو اور آجاتے ہو عشاء کے وقت اور ہم سبزی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ بازار جاتا تو راستے میں کوئی دعوت الی اللہ کا موقع مل جاتا اور میں دعوت الی اللہ میں مشغول ہو جاتا اور سبزی وغیرہ بھول جاتا"۔

آپ کی دعوت الی اللہ کے متعلق ڈاکٹر عبدالرحمان صدیقی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ گھر سے دانے پسوانے کے لئے چکی کی طرف آرہے ہوتے تھے تو اگر کوئی طالب حق مل جاتا تو آپ راستے پر ہی دانے رکھ کر اسے دعوت الی اللہ کرنے لگ جاتے اور گھر کا کوئی خیال نہ ہوتا کہ میں گھر سے کسی کام کے لئے آیا ہوں۔ بہت بے نفس انسان تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ خوبیاں ان میں ودیعت کی ہوئی تھیں"۔

مناظرے

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب نے زندگی میں بہت سے مناظرے کئے جن کا ریکارڈ تو محفوظ نہیں البتہ ایک مناظرے کا قصہ خود سناتے ہیں جس کو استاذی المکرم مولانا مبشر احمد کاہلوں صاحب روایت کرتے ہیں:۔

"ایک ریاست کے نواب صاحب تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے ملے' کہنے لگے کہ آپ میرے پاس کبھی آئیں اور کہا کہ میں جماعت کے بارہ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے وہاں ہمارے مربی ہیں جو پوچھنا ہے ان سے پوچھ لیں۔ مجھے تار بھیج دی۔ میں وہاں چلا گیا۔ ایک ڈاکٹر احمدی تھے ان کے پاس ٹھہرا۔ ڈاکٹر صاحب ایک دن کہنے لگے مولوی صاحب آؤ چلیں۔ مجھے نہیں بتایا تھا کہ کہاں جانا ہے۔ میں نے سمجھا کہ شاید سیر وغیرہ کرنے جانا ہے۔ مجھے کار میں بٹھالیا اور وہاں جو ان کا دفتر تھا لے گئے۔ جب میں کار سے اتر رہا تھا تو کہنے لگے کہ مولوی صاحب یہاں پر آپ کی بحث ہونی ہے۔ میں نے پوچھا کس سے؟ کہنے لگے نواب صاحب نے چوٹی کے علماء کو بلوایا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے بتانا تو تھا۔ اس نے کہا کہ مولوی صاحب تیاری کر کے مزا نہیں آتا۔ اندر جاکر بیٹھ گئے۔ وہاں کچھ وزراء اور علماء بیٹھے ہوئے تھے اور نواب صاحب وہاں موجود نہیں تھے اور پتا چلا کہ نواب صاحب نے کہا ہے کہ پہلے علماء کے ساتھ بحث کرے اور بعد میں میرے پاس آئے۔ (اصل بات یہ تھی کہ نواب صاحب ملنا چاہتے تھے اور لوگوں کی مخالفت بھی تھی۔ اس لئے یہ طریق اختیار کیا)۔

ایک مولوی صاحب بولے' میں نے مرزا صاحب کی کتاب براہین احمدیہ پڑھی ہے اس میں بہت طول ہے۔ بہت طول ہے۔ حاشیہ در حاشیہ۔ حاشیہ در حاشیہ۔ بہت طول ہے۔ مولوی صاحب نے کہا اور میں سنتا رہا کہ اس نے کیا طول کی رٹ لگا رکھی ہے۔

میں نے کہا مولوی صاحب میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔ اس نے پھر اسی طرح طول طول کی رٹ لگائی۔ میں نے پھر کہا کہ میں سمجھا نہیں۔ اس طرح اس نے چار پانچ دفعہ بات دہرائی۔ ایک وزیر بولا مولوی صاحب! کیا بات نہیں سمجھے سیدھی سادھی بات ہے۔ ویسے آپ کہیں کہ مجھے اس کا جواب نہیں آتا۔ میں نے کہا ایسی بات نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں ان کی بات لفظاً لفظاً دہرا سکتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میرے دوست ڈاکٹر صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ میری گفتگو علماء سے ہوگی اور میں کافی دیر سے سن رہا ہوں کہ یہاں علماء والی بات ہی نہیں ہو رہی۔ میں نے علم کلام پڑھا ہے۔ علم بلاغت پڑھا ہے۔ علم معانی اور علم بیان پڑھا ہے۔ میں نے کہیں نہیں پڑھا کہ علم کلام کی کوئی خوبی یا کلام کی

کوئی خوبی یا خامی طول بھی ہوا کرتی ہے۔ طول عرض مسطحات کی قسمیں ہیں۔ اس کمرے کا طول اتنا ہے یا اس میز کا طول اتنا ہے۔ کلام میں طول عرض کہیں نہیں سنا۔ کلام میں حشو ہو گا۔ زوائد ہو گا۔ ایجاب ہو گا۔ اطناب ہو گا لیکن کلام میں طول ہے کسی ادب کی کتاب میں لکھا نہیں دیکھا۔ اس پر وہ صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ کاٹو تو لہو نہیں"۔

خودداری اور توکل علی اللہ

آپ کی ساری زندگی خودداری اور توکل علی اللہ کے نمونہ سے بھری پڑی ہے۔ حضرت مولانا صاحب کی بیٹی شوکت گوہر صاحبہ ان کے متعلق بیان فرماتی ہیں:۔

"خدا پر ان کو بہت توکل تھا اور انہوں نے اس کا عملی نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا۔ کتنے ہی سخت اور مخالف حالات ہوتے ابا توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور یہی کہتے اللہ ہماری مدد کرے گا۔ نامساعد حالات کے باوجود حالات کی تنگی کے باوجود والد صاحب کے منہ سے ناشکری کا کوئی کلمہ نہ سنا۔ کبھی دنیاوی چیزوں کی طلب نہ کی اور نہ ہی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ وہ کہتے تھے میں "واقف زندگی ہوں" اور اس چیز کو مدنظر رکھا کہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھے جو وقف کی روح کے خلاف ہو۔ ہر تکلیف یا ضرورت کے وقت خدا پر بھروسہ رکھتے"۔

محترم ملک منور احمد جاوید صاحب نائب ناظر ضیافت بیان کرتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ مولوی صاحب ہمارے ہاں ٹھہرے۔ لیٹے کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا مولوی صاحب آپ لاہور آئے ہیں آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں۔ میں آپ کی ضرورت پوری کردوں۔ مولوی صاحب نے کتاب ہٹائی اور کہنے لگے ملک صاحب! آپ میری ضروریات کے کب سے کفیل بن گئے ہیں۔ آج تک تو خدا میرا کفیل تھا۔ آپ نے کب سے ذمہ داری لی ہے میری کفالت کی"۔

فن خطابت

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کی سحر طراز خطابت کے بارہ میں محترم قیس مینائی صاحب نجیب آبادی ۲۴ اگست ۱۹۸۳ء کے الفضل میں رقمطراز ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کی وفات حسرت آیات جماعت احمدیہ کے لئے ایک عظیم صدمہ کا باعث ہوئی۔ خاکسار جن دنوں جماعت احمدیہ کراچی کا سیکرٹری دعوت الی اللہ تھا مولانا موصوف کراچی میں بطور مربی تشریف لائے۔ کراچی میں جس لگن کے ساتھ مولوی صاحب مرحوم نے کام کیا اس کا اثر آج تک احمدی اور غیر از جماعت دوستوں میں قائم ہے۔ میں جس محلہ میں رہتا تھا اس علاقے میں سیرت النبیؐ کے جلسہ کے لئے محلہ کے لوگ چندہ کے لئے آئے۔ خاکسار نے اپنی حیثیت سے کچھ بڑھ کر ہی چندہ پیش کردیا اور عرض کیا کہ ہماری جماعت کے مولانا عبدالمالک خان کی بھی تقریر رکھ لیں تو عنایت ہوگی۔ وہ کہنے لگے کہ فنڈ میں گنجائش نہیں ہے۔ جتنے علماء و مقررین کو ہم نے دعوت دی ہے ان کے نذرانہ کی رقم بھی ابھی پوری نہیں ہوئی...... خاکسار نے عرض کیا کہ ہمارے مولوی صاحب کو کوئی نذرانہ نہیں دینا پڑے گا۔ ان کو لانے کے لئے سواری بھی درکار نہ ہوگی۔ بس آپ منظور کرلیں تو وہ خود ہی وقت پر پہنچ جائیں گے۔ وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور مولوی صاحب کی تقریر منظور کرلی۔ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط ہے کہ ہمارے مولوی صاحب کی تقریر سب کے آخر میں رکھیں۔ چنانچہ تیسرے روز ہمارے فلیٹ کے قریب جلسہ سیرت النبیؐ ہوا۔ تمام علماء اور مقررین کی تقریر کے بعد حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور آپ کی تقریر سے قبل خاکسار اپنی نعت جس کی ردیف صلی اللہ علیہ وسلم ہے ترنم سے سنائی۔ بعد ازاں حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب نے حضرت اقدس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو شاندار مرصع اور مسجع تقریر کی اس کی لذت سے مقررین بھی محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور درمیان میں بعض علماء نے مشاعروں کے داد کی طرح داد پیش

کر کے مولوی صاحب کی تقریر کو سراہا اور کافی عرصہ تک مجھے مبارکباد دیتے رہے کہ آپ نے اپنے مولوی صاحب کی تقریر کروا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقام ذہن نشین کرادیا"۔

خلافت سے محبت

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کو نظام خلافت سے بہت محبت اور احترام تھا اور آپ اطاعت امام کا ایک عدیم المثال نمونہ تھے۔ نظام خلافت کے بارہ میں اپنے خاندان والوں کو جو نصیحت فرماتے وہ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں:۔

"بیٹا ساری برکتیں اس وقت امام ہمام سے وابستہ ہیں۔ دیکھو جو پتے درخت سے چمٹے رہتے ہیں وہ ہرے رہتے ہیں۔ جو درخت سے جدا ہو جاتے ہیں وہ خس و خاشاک بن جاتے ہیں"۔

"بیٹی وہاں کھڑی ہونا جہاں خدا اور امام کھڑا ہو"۔

"بچو! امام ڈھال ہوتا ہے ہر وقت اس کے پیچھے رہنا چاہئے۔ اس کا دامن تھامے رہو اور اپنے بچوں کو بھی اس کی نصیحت کرتے رہا کرو"۔

آپ کے اکلوتے فرزند عبدالرب صاحب بیان فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت ابا جان کی تقریر کے اختتام پر ایک شخص فرط محبت سے ابا جان کو لپٹ گیا اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کو کوشش کی۔ حضرت ابا جان نے نہایت وقار کے ساتھ بڑی جلالی آواز سے اسے کہا آپ پر میری تقریر کا یہ اثر ہوا ہے کہ آپ حفظ مراتب بھی بھول گئے۔ بوسہ دینے کے لائق صرف ایک ہاتھ ہے اور وہ امام ہمام کا ہاتھ ہے اور سب سے زیادہ دعائیں بھی امام ہمام کی ہی قبول ہوتی ہیں۔ آپ پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں جائیں اور حضور ایدہ اللہ سے ملاقات کی درخواست دیں"۔

خطبہ جمعہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا مولانا عبدالمالک خان صاحب کو خراج تحسین

حضور نے پانچ اگست ۸۳ء کو خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا آج ایک انتہائی دردناک واقعہ کی وجہ سے دل بہت مغموم ہے۔ ایک گہرا زخم لگا۔ ایک بہت ہی پیارا سلسلہ کا خادم مولانا عبدالمالک خان صاحب دعوت الی اللہ جہاد کے سفر پر جاتے ہوئے شیخوپورہ کے قریب ایک حادثے کا شکار ہو کر انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضور نے فرمایا تھوڑی دیر قبل لاہور سے فون پر یہ اطلاع ملی ہے۔ ہمارے دل بہت مغموم ہیں۔ مرحوم نہایت فدائی اور سلسلہ کے خادم تھے۔ آپ ہندوستان کے چوٹی کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس نے اللہ کی خاطر دنیا کی عزت کو ٹھکرایا اور دین کی خدمت کی زندگی قبول کی۔ ان کے والد نے ساری دنیاوی عزتوں کو چھوڑ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دامن تھاما اور اللہ کی خاطر امیرانہ ٹھاٹ بھاٹ چھوڑ کر غریبانہ زندگی اختیار کی۔ اس رنگ میں رنگین ہو کر حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب نے بھی اپنی زندگی دین کی خاطر وقف کی اور اس وقف کے تقاضوں کو خوب نبھایا۔ گرمی سردی یا کسی مشکل مصیبت میں بھی خدمت دین کا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ابھی کل ہی مجھے ملے اور اپنے اس سفر پر جانے کی اجازت مانگی اور خدمت دین کے ایک خاصے طویل سفر کا پروگرام پیش کیا۔

حضور نے فرمایا میں نے انہیں کہا کہ آپ کی صحت کمزور ہے۔ آپ کا پاؤں زخمی ہے۔ آپ شوگر کے مریض ہیں آپ اتنا سفر نہ کریں۔ یہ آپ کی صحت پر بوجھ ہوگا۔ مولوی صاحب نے کہا بوجھ کیسا میں تو خدمت دین پر اتنا خوش ہوتا ہوں کہ دل کھل اٹھتا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں اس دینی سفر پر روانہ ہو جاؤں۔ میں تو جتنا سفر کرتا ہوں طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبہ کو قبول کیا اور اسی سفر میں

اسی حالت میں اپنے پاس بلالیا۔

حضور نے فرمایا ہمیں کتنا ہی غم کیوں نہ ہو ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ آنسوؤں کا آنکھوں سے گرنا فطرت کا تقاضا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی نے ہمیں نرم دل بنایا ہے۔ انسانیت سکھادی ہے۔ مگر ہم کوئی جزع فزع نہیں کریں گے۔ نہ ہمارے دین نے ہمیں مایوسی کا سبق دیا ہے۔ افراد مرجاتے ہیں مگر قومیں زندہ رہتی ہیں۔ زندہ قومیں قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کرتیں اور بحیثیت قوم ہم ایک زندہ قوم ہیں۔ جانے والوں کا دکھ ضرور ہے مگر مایوسی نہیں۔ اللہ چاہے تو ہر جانے والے کے مقابل ہمیں لاکھوں ایسے اور افراد عطا کرے۔ دعا کریں اور یہ عہد کریں کہ اللہ تعالیٰ ایک عبدالمالک کو بلائے تو ہم اس کی جگہ سو عبدالمالک پیدا کردیں گے۔ دنیا کو مخلص خادمان دین کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ ہمارا دامن کبھی تنگ نہ کرے۔ ہمارے دلوں کو خدا کے فرشتے تحریک کریں۔ ایک جگہ خالی ہو تو اس کی جگہ دس بیس نہیں سو آدمی آگے آجائیں اور اس جگہ کو پر کردیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ (آمین)

وفات پر مختلف تبصرہ جات

مختلف اخباروں اور رسالوں میں آپ کی وفات کے بارہ میں اظہار خیال ہوا۔ مختلف شعراء نے حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کی وفات پر نظمیں لکھیں۔ محترم سلیم شاہجہان پوری صاحب کی ایک نظم "شمع روئے مصطفیٰ کا ایک پروانہ" کے عنوان سے ۳۱ اگست ۱۹۸۳ء کو شائع ہوئی۔

موت برحق ہے مگر اس رنگ میں سوچا نہ تھا
اس قدر جلدی بچھڑ جانے کا اندیشہ نہ تھا

ایک شاعر نے "موت العالم موت العالم" کے عنون سے ایک نظم لکھی کہ:۔

آج پھر احساس ہوا ہے
موت العالم موت العالم

قیس مینائی صاحب نے لکھا۔

عاشق قرآں، خادم دیں، روشن دل ز نور مبین
نازک لطف و عیش جہاں مولوی عبدالمالک خاں
جادو سا جگا دیتے تھے اک رنگ جما دیتے تھے
سحر طراز حسن بیاں مولوی عبدالمالک خان

سید عبدالحیٔ صاحب مولانا صاحب کے بارہ میں رقمطراز ہیں:۔

"بزرگوارم محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب مرحوم کو مجھے جس قدر قریب سے دیکھنے کا موقع ملا میں نے انہیں انتہائی متوکل اور غریب پرور پایا۔ آپ کو تینوں خلفاء کا قرب حاصل رہا اور آپ ہر خلیفہ وقت کے لئے ذاتی طور پر بہت محبت اور احترام کے جذبات رکھتے تھے۔ اپنے سے چھوٹی عمر والوں حتیٰ کہ بچوں کے ساتھ انتہائی اکرام سے پیش آتے۔ آپ کی گفتگو انتہائی شیریں اور دلنشیں ہوتی۔ دعوت الی اللہ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ معاند سے معاند عالم بھی آپ کے پیرایہ گفتگو اور خاندانی نجابت سے متاثر ہوتا تھا۔ آپ کی تقریر شستہ زباں اور اردوئے معلیٰ کے ساتھ ساتھ روانی اور قادر الکلامی کا ایک شاہکار ہوتی تھی۔

طبیعت کے بہت سادہ تھے اور اپنے ہم عمروں اور مربیان کے ساتھ انتہائی بے تکلف تھے۔ اپنے افسروں کے ساتھ ہمیشہ ادب سے پیش آتے اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا سلوک فرماتے۔ دینی لٹریچر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف پر عبور حاصل تھا۔ اکثر حوالے آپ کو ازبر تھے۔

مالی مشکلات کے باوجود فیاض، مہمان نواز اور غریبوں کی بہت مدد کرنے والے تھے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وارفع درجاتہ وادخلہ فی اعلی علیین"۔

حضرت عبدالمالک خان صاحب کے بارہ میں خطبہ

جمعہ فرمودہ ۲۸ مئی ۱۹۹۹ء

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس میں فرمایا:۔

"اب میں مولانا عبدالمالک خان صاحب مرحوم شہید کا

ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یوم شہادت پانچ اگست ۱۹۸۳ء ہے اگرچہ یہ ذکر کچھ لمبا ہو گیا ہے لیکن ان کے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے اگر کچھ لمبا ہو بھی گیا تو کوئی حرج نہیں............ اب مولانا عبدالمالک خان صاحب کا ذکر کرتا ہوں۔ آپ ۲۵ نومبر ۱۹۱۱ء کو رامپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں قادیان آئے اور قادیان میں مدرسہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں دو سال معلمین کلاس میں دینی تعلیم حاصل کی اور ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء سے آپ نے میدان دعوت الی اللہ میں عملاً دینی خدمت کا آغاز فرمایا۔ آپ کو ابتدا میں یو پی کے انچارج (مربی) کی حیثیت سے اہم ذمہ داری سونپی گئی۔ اس وقت آپ کا کام صدر مقام لکھنؤ میں تھا۔ ۱۹۳۹ء میں یہ صدر مقام آگرہ منتقل ہونے کی وجہ سے آپ آگرے آ گئے۔ ۱۹۴۰ء میں چند ماہ کے لئے کراچی میں کام کیا۔ ۴۲ء سے ۴۳ء تک عرصہ میں حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر آپ نے مسلسل اٹھارہ ماہ تک ہندوستان کے چار صوبوں کا تفصیلی دورہ فرمایا۔ ۴۴ء میں آپ کی تقرری حیدر آباد دکن میں بطور مشنری انچارج کی گئی جہاں پر آپ نے ۱۹۴۸ء تک خدمات انجام دیں۔ تقسیم ہند کے بعد آپ کو لاہور بھجوایا گیا جہاں آپ نے آٹھ ماہ تک خدمات دینیہ انجام دیں۔ اس کے بعد آپ کی تقرری ۷ مارچ ۱۹۴۸ء میں کراچی میں بطور (مربی) انچارج کی گئی۔ ۱۹۵۳ء میں حضرت مصلح موعود نے جو متبادل انجمن کراچی میں قائم فرمائی تھی اس صدر انجمن احمدیہ کراچی کا آپ کو سیکرٹری مقرر فرمایا۔ اس زمانے میں حضرت مصلح موعود نے آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے آپ کو رئیس الدعوت الی اللہ کا خطاب بھی عطا کیا۔ ۱۹ جون ۱۹۶۱ء کو آپ مغربی افریقہ کے ملک غانا میں بغرض دعوت الی اللہ تشریف لے گئے۔ آپ کے زمانے میں کماسی کا مشن ہاؤس تعمیر ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں آپ واپس آئے تو پھر کراچی میں مربی سلسلہ مقرر کر دیا گیا۔ جہاں پر آپ ۲۳ جون ۱۹۷۰ء تک

اپنی خدمات بجا لاتے رہے۔ بعد ازاں آپ کو مرکز میں بطور نائب ناظر اصلاح وارشاد مقرر فرمایا۔ اگلے ہی سال ناظر اصلاح وارشاد مقرر فرما دیا گیا۔ اس شعبہ میں آپ نے بارہ سال تک خدمات سرانجام دیں۔ آپ ۵ اگست ۱۹۸۳ء بروز جمعتہ المبارک ایک دعوت الی اللہ کے سفر پر جاتے ہوئے شیخوپورہ کے قریب کار اور ٹرک کے حادثے میں زخمی ہوئے اور بروقت طبی امداد نہ ملنے کے باعث اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مختصر خاندانی حالات یہ ہیں کہ آپ حضرت ذوالفقار علی خان گوہر کی تیسری زوجہ محترمہ کے بطن سے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی مکرم حبیب اللہ خان صاحب ایم۔ایس۔سی تھے جو تعلیم الاسلام کالج میں واقف زندگی کی حیثیت سے رہے ہیں۔ ان کے بعد آپ کی ہمشیرہ اہلیہ صاحبہ سعید احمد صاحب مرحوم ہیں اور ان کے بعد آپ ہیں۔ مولانا کی اولاد میں ایک صاحبزادہ مکرم عبدالرب انور محمود خان صاحب آف کیلیفورنیا امریکہ اور چار صاحبزادیاں محترمہ فرحت صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر صالح محمد الہ دین صاحب حیدر آباد دکن، محترمہ شوکت گوہر صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر لطیف احمد قریشی صاحب، محترمہ نصرت جہاں صاحبہ حال ربوہ اور محترمہ امتہ الحیٔ نفیلت صاحبہ اہلیہ مکرم سید حسین احمد صاحب مربی سلسلہ ہیں۔

اس ذکر کو آج میں حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب شہید کے ذکر پر ختم کرتا ہوں اور اس کے بعد جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کچھ نہ کچھ تو تفصیل شاید بیان کرنی پڑے مگر حتی المقدور کوشش کروں گا کہ مختصر ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی اولادیں جہاں جہاں بھی دنیا میں پھیل چکی ہیں دین و دنیا کی حسنات سے نوازتا رہے اور قیامت تک یہ شہادت کے علم بلند رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے شہداء کے نقش قدم پر چل سکیں۔"

قسط اول

یورپ پر مسلمانوں کے علمی احسانات

(از قلم: محترم محمد زکریا ورک صاحب کنگسٹن' کینیڈا)

محبوب خدا سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وفات کے صرف اسی سال بعد مسلمان اسپین پر ۷۱۱ء میں قابض ہو گئے۔ ۷۳۲ء میں انہوں نے پیرس شہر کو قریب قریب فتح کر لیا اس کے بعد جنوبی افریقہ سے ۸۳۱ء میں انہوں نے سسلی کے جزیرہ کو فتح کر لیا یہاں انہوں نے ۲۵۰ سال تک حکومت کی۔ سسلی پر قابض ہونے کے بعد ان کا سیاسی اثر و رسوخ اٹلی کے جنوب میں پہنچ گیا قریب تھا کہ مسلمان روم شہر کو اپنے پاؤں تلے روند دیتے کہ عزت ماب جان ہشتم نے اس کے عوض خراج دینا قبول کر لیا اور دو سال تک وہ لاکھوں روپے کا خراج دیتا رہا۔ اب مسلمانوں نے مالٹا کے جزیرہ کی طرف رخ کیا جو انہوں نے ۸۶۹ء میں آسانی سے فتح کر لیا دسویں صدی میں مسلمانوں نے اٹلی اور سپین پر حکومت مستحکم کرنے کے بعد passages alpine کے راستوں سے یورپ پر حملے شروع کئے۔ چنانچہ ALPS کے پہاڑوں میں بعض پرانے قلعے اور بڑی بڑی دیواریں اب بھی دیکھی جا سکتی ہیں جو سسلی میں مسلمانوں کے حملوں کی یادگار ہیں۔

مسلمانوں نے جس عظیم تہذیب کی بنیاد سپین اور اٹلی میں رکھی اس کا اثر یورپ کے باقی ممالک فرانس' جرمنی' آسٹریا اور برطانیہ پر بھی ہوا۔ مسلمانوں نے آرٹ' سائنس' زراعت' ادب' شاعری اور علوم و فنون جیسے فلاسفی علم ہیئت' فزکس میڈیسن میں نئی دریافتیں کر کے ان علوم میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ یہ مضمون اسی سنہری دور کی مختصر سی کہانی ہے۔

دسویں صدی میں مسلمانوں کی علمی قابلیت کا تمام یورپ قائل تھا۔ ابن سینا' الرازی' ابن رشد' ابن الہیثم جیسے نامور سائنس دانوں سے ہر دانا شخص واقف تھا نیز ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرنا ان کے لئے ازبس ضروری تھا۔ یونیورسٹی آف وی آنا' یونیورسٹی آف سالرلو اور فرانس کی یونیورسٹی آف ماؤنٹ پیلیر (Montpellier) میں تو الرازی اور ابن سینا کی کتابیں میڈیسن کے نصاب میں شامل تھیں۔ ابن سینا کو یورپ کے لوگ پرنس آف فزیشن اور ابن رشد کو ارسطوئے ثانی کے القاب سے یاد کرتے تھے۔

نویں صدی میں جس طرح بغداد کے روشن خیال اور علم دوست خلیفہ مامون الرشید (۸۸۳ء - ۸۱۳ء) کے زمانہ میں گریک لٹریچر اور سائنسی کتابوں کے عربی میں تراجم شروع ہوئے بعینہ ایسے تراجم یورپ میں گیارہویں صدی میں شروع ہوئے یورپ کے عالموں کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ ان کا علمی سرمایہ یونانی زبان سے ناپید ہو کر عربی زبان میں ابد الاباد تک کے لئے محفوظ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت عربی زبان ایسی ہی بولی جاتی تھی جس طرح آج کل انگریزی زبان تمام دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے کسی نے علمی مضمون لکھنا ہو تو وہ انگریزی میں لکھا جاتا ہے تا زیادہ سے زیادہ لوگ اسے پڑھ سکیں۔ اس زمانہ میں عربی سائنسی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زبان بھی تھی۔

اس ضمن میں یورپ کے ممالک میں سے جس روشن دماغ عالم نے عربوں سے ریاضی اور اسٹرانومی اور عربی علم الاعداد کا علم حاصل کیا وہ فرانس کا سکالر گربرٹ تھا (م ۱۰۰۳ء

روم (Gerbert) جو بعد میں پہلا فرانچ پوپ منتخب ہو کر (Pope Sylvester) کے نام سے مشہور ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ پوپ سل ویسٹر دوم نے سپین کے شہر بارسلونا میں عربی زبان سیکھ کر اپنی سائنسی تعلیم مکمل کی۔ پھر بارہویں صدی میں بشپ رے مینڈ (Bishop Raymond) نے عربوں سے اکتساب علم کیا۔ بارہویں صدی کے آغاز میں سپین کے یونیورسٹی ٹاؤن طلیطلہ Toledo میں ترجمہ کی موومنٹ کا آغاز ہوا۔ اس شہر میں یہودی، عیسائی نیز مسلمان عالم کثرت سے آباد تھے۔ ترجمہ کرنے کی مہم کا مقصد عربی کی تمام کتب کو لاطینی یا عبرانی زبانوں میں منتقل کرنا تھا۔ ترجمہ کرنے کا کام ایک راہب Gundisalvi کی راہنمائی میں شروع ہوا۔ تراجم تینوں مذاہب کے علماء کرتے تھے کسی کو اس بات سے سروکار نہ تھا کہ کون کس مذہب کا پیروکار ہے بعض مترجمین عربی سے ناواقف تھے اس لئے ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے لفظی ترجمہ کیا اور جب ان کو عربی الفاظ سمجھ نہ آئے تو انہوں نے عربی الفاظ کو لاطینی میں ہو بہو لکھ دیا اس شہر میں سائنس اور فلسفہ کی کتب کے بہت شاندار تراجم کئے گئے۔

ان مترجمین میں سے چند ایک کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ا جیرارڈ آف کریمونا ۱۱۱۴ء-۱۱۸۷ء of Cremona Gerard عالم اٹلی کا رہنے والا تھا مگر عربی سیکھنے کی لگن میں سپین چلا آیا باقی کی زندگی اس نے یہاں کی علمی فضا میں گزار دی اس کی وفات طلیطلہ میں ہوئی اس نے اکثر کتب کا لاطینی میں ترجمہ کیا جالینوس کی کتاب المجسطی کا ترجمہ اس نے ۱۱۷۵ء میں کیا۔ اس کے تراجم سے اسلامی سائنس یورپ میں متعارف ہوئی جس طرح حنین ابن اسحٰق نے بغداد میں آٹھویں صدی میں تراجم کا عظیم الشان کام کیا اسی طرح جیرارڈ نے یہاں تراجم کئے۔ انسانیت ان دو اشخاص کے علم اور علم دوستی کی ہمیشہ ممنون احسان رہے گی۔

(۲) ایڈیلارڈ آف باتھ (م ۱۱۶۰) یہ انگریز بارہویں صدی میں عربی سائنس اور فلاسفی کا سب سے بڑا عالم تھا اس نے پندرہ کتب کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ اقلیدس کی المجسطی، الخوارزمی کی زیج، اصطرلاب بنانے پر رسالہ، ۷۶ سائنسی سوال و جواب کہ اس نے عربوں سے کیا سیکھا۔ شاہین پر رسالہ، اصطرلاب پر رسالہ برٹش میوزیم میں موجود ہے اس کی وجہ سے المجسطی اور علم ہیئت یورپ پہنچا۔ اس نے شام، سسلی، سپین کا سفر اسلامی علوم حاصل کرنے کیلئے کیا اور ۱۱۲۶ء میں برطانیہ واپس آیا۔

(۳) رابرٹ آف چیسٹر۔ عربی علوم کے برطانیہ میں فروغ میں اس نے اہم کردار ادا کیا اس نے ۱۱۴۳ء میں قرآن کریم کے پہلے لاطینی ترجمہ میں آرک بشپ پیٹر کی مدد سے سپین میں عربی تعلیم حاصل کر کے وہ برطانیہ آیا تو ان کتب کے تراجم کئے۔ الکندی کی کتاب ludicia کیمیا پر عربی کتاب کا ترجمہ، الخوارزمی کی کتاب الجبرو المقابلہ کا ترجمہ یہ ۱۹۱۵ء میں نیویارک سے بھی شائع ہوا۔ اصطرلاب پر رسالہ لندن ۱۱۴۷ء، الزرقالی کی زیج کا ترجمہ لندن، ۱۱۵۰ء الخوارزمی کی زیج (یعنی ہیئت کے جدول) کا ترجمہ، یہ بوڈلین لائبریری میں محفوظ ہے۔

(۴) کن سٹین ٹین the African) (Constantine م ۱۰۸۷ء یہ شخص مراکش کا رہنے والا تھا مگر سسلی آکر آباد ہو گیا اس عالم نے اسلامی ممالک میں تیس سال تک قیام کیا اور مسلمان اساتذہ سے اکتساب علم کیا یہ پہلا عالم تھا جس نے عربی کی بہت سی کتب کے لاطینی میں تراجم کئے اس نے سالیرنو کے شہر میں سب سے پہلے میڈیکل سکول کی بنیاد رکھی، اس کے بعد فرانس میں مانٹ پیلیئر اور پیرس میں میڈیکل سکولوں کا آغاز ہوا۔ سائنسی علوم کی کتب چونکہ تمام کی تمام عربی میں تھیں اس لئے یورپ کی یونیورسٹیوں جیسے طلیطلہ بولونیا، پیرس اور ناربون میں عربی زبان سیکھنے کا انتظام کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ فرانس کا ایک عالم Mirabilis اسلامی

ممالک کے لمبے سفروں کے بعد اسلامی نظام تعلیم سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے واپس آکر طلباء کو علی الاعلان نصیحت کی کہ وہ اسلامی ممالک کی درسگاہوں میں جا کر تعلیم حاصل کریں جو اس وقت قرطبہ ' غرناطہ ' اشبیلیہ اور طلیطلہ میں پھل پھول رہی تھیں۔

عربی تراجم کی تفصیل

جن عظیم الشان عربی کتابوں کے تراجم لاطینی میں کئے گئے ان کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

جابر بن حیان

(Book of Kingdom, Book of Balance)

البالطنی DieScientiaStellarum, • Alzij

الرازی Liber Experimentorum Continens, Liber alMansoris,

علی ابن العباس (LiberRegius)

الزاہراوی AlTasrif

ابن الہیثم OpticaeThesaurus

ابن سینا Canon, Sanatio 1170

الزرقالی ToledanTables

ابن زہر KitabTaisir, •Kitabal-Iqitsad

ابن رشد Colliget, •Almagest 1231

اللوسی FigueCata 14thCentury

الوغ بیگ TablesofPlanetaryMotions

میڈیسن

یورپ میں سب سے پہلا میڈیکل کالج اٹلی کے شہر سالیرنو Salerno میں کھلا تھا اس شہر کی آب و ہوا مریضوں کی صحت کے لئے نہایت اعلیٰ تھی اس کالج میں چونکہ میڈیکل کتابوں کا فقدان تھا لہٰذا Constantine the African جیسے متبحر عالم کو اس کالج کے لئے تراجم کرنے پر معمور کیا گیا سالرنو کے بعد جو دوسرا میڈیکل کالج شروع ہوا وہ فرانس اور سپین کی سرحد کے قریب شہر مانٹ پیلیئر Montpellier میں تھا اس شہر میں عربوں اور یہودیوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی بلکہ بعض ایسے بھی تھے جو عربی بڑی روانی سے بولتے تھے اس علمی ماحول میں عرب میڈیسن کا یورپ کے میڈیکل تعلیم اور تربیت پر اثر نمایاں نظر آتا ہے تیرھویں صدی میں اس شہر کے میڈیکل کالج اور سپین کی یونیورسٹیوں میں گہرے تعلقات اور مراسم تھے۔

ابتداء میں ان میڈیکل کالجز میں سرجری کرنا عیب سمجھا جاتا تھا بلکہ ۱۱۶۳ء میں چرچ کے ایک فرمان کے مطابق سرجری کو میڈیکل نصاب میں شامل کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی لیکن سرجری میں عربی کتابوں کے تراجم جب بازار میں آگئے تب اس کو نصاب میں شامل کیا گیا تھا عربوں نے جس منظم طریق سے ہسپتالوں کا آغاز کیا اس قسم کے ہسپتال یورپ میں سٹراس بورگ Strasbourg کے شہر میں ۱۵۰۰ء میں شروع ہوئے۔ اسلامی ہسپتالوں میں طلباء کو تعلیم Instruction Clinical دی جاتی تھی اس تعلیم کا رواج یورپ میں ۱۵۵۰ء کے بعد شروع ہوا۔

یورپ میں میڈیسن کی تعلیم کیلئے تمام کی تمام نصابی کتب اسلامی سکالرز اور معتبر مصنفین کی کتابوں کے تراجم تھے اس ضمن میں زکریا الرازی کی کتاب "الحاوی" ہے۔ شیخ الرئیس بو علی سینا کی کتاب "القانون" کا پہلا یورپین ایڈیشن ۱۴۷۳ء میں شائع ہوا۔ پھر ۱۴۷۵ء میں دوبارہ' سولھویں صدی میں اس کے ۱۶ ایڈیشن جاری ہوئے۔ ۱۶۵۰ء تک اس کتاب کے متواتر تراجم شائع ہوتے رہے دنیا میں آج تک کسی اور طبی کتاب کے اتنے ایڈیشن شائع نہیں ہوئے ہیں۔ بعض لوگ تو اسے میڈیسن کی بائیبل بھی کہتے تھے۔ القانون فی الطب کے متعدد تراجم کے بعد عربی سے جن مصنفین کی کتب کے تراجم کئے گئے ان میں ابن

زہراوی ابن رشد حنین ابن اسحٰق اور علی العباس کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہ کہنے میں حرج نہیں ہے کہ پندرھویں اور سولھویں صدی میں یورپ میں میڈیسن کا علم تمام کا تمام اسلامی طب پر منحصر تھا۔ مثلاً ایک اطالین سکالر Ferrari de Grado کی طب کی کتابوں میں بو علی سینا کا ذکر تین ہزار مرتبہ آتا ہے جب کہ الرازی اور گیلن کی کتابوں کے حوالہ جات کا ذکر ایک ہزار مرتبہ ہے۔ یاد رہے کہ اس سکالر نے یورپ میں میڈیسن میں سب سے پہلے جو کتاب شائع کی وہ الرازی کی الحاوی کے نویں باب کا ترجمہ تھا۔

میڈیسن کی فیلڈ میں عالم اسلام نے جو نامور طبیب پیدا کئے ان میں الرازی، علی ابن العباس، بو علی سینا، ابن رشد ابن نفیس کے نام قابل ذکر ہیں۔ یاد رہے کہ ستر سے زیادہ ڈاکٹروں نے ۸۰۰ء سے لے کر ۱۳۰۰ء تک سائنس کی اس شاخ میں معرکہ آلارا کتب تحریر کیں اور یہ کتابیں اب تک محفوظ ہیں۔ مثلاً الرازی کی ۵۰ کے قریب کتب ابھی لائبریریوں میں دستیاب ہیں اس کی کتاب الجدزی والحبہ Die Pestelentia کے تراجم لاطینی۔ فرانسیسی اور انگریزی میں ہو چکے ہیں اس کا پہلا لاطینی ترجمہ ۱۴۹۸ء میں وینس سے طبع ہوا یونانی ترجمہ پیرس سے ۱۵۴۸ء میں انگریزی ۱۸۷۴ء فرنچ ۱۷۶۳ء جرمن ۱۹۱۱ء لیپ زگ سے طبع ہوا۔ اس کی کتاب المنصوری کا ترجمہ میلان سے ۱۴۸۱ء میں طبع ہوا اس کا نواں باب بہت مقبول عام تھا جو Lyon سے ۱۴۹۰ء میں طبع ہوا۔ امراض چشم پر جرمن ترجمہ ۱۹۰۰ء میں منظر عام پر آیا۔

اس کی مشہور زمانہ کتاب الحاوی بیس جلدوں میں میڈیسن کا انسائیکلوپیڈیا ہے جو اس کی وفات کے بعد اس کے قابل شاگردوں نے مکمل کیا۔ تیرہویں صدی میں اس کا لاطینی ترجمہ Continens سسلی کے یہودی عالم فراج بن سالم نے ۱۲۷۹ء میں کیا اور یہ کتاب یورپ کے میڈیکل کالجز میں کئی سو سال تک بطور ٹیکسٹ بک کے پڑھائی جاتی رہی۔ ۱۴۸۶ء میں یہ Liber dictus alhavi کے عنوان سے طبع ہوئی۔ ۱۸۶۶ء تک اس کے چالیس ایڈیشن یورپ میں شائع ہو چکے تھے۔ پیرس یونیورسٹی اور امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی کے چرچ کی کھڑکی کے شیشہ Tained Glass پر الرازی اور ابن سینا کی تصاویر کندہ ہیں۔ پرنسٹن کی تصویر کی ایک دو فٹ لمبی کمپیوٹر پر بنی رنگین کاپی میرے پاس بھی موجود ہے جس میں الرازی نے بائیں ہاتھ میں کتاب پکڑ رکھی ہے جس پر عربی میں کتاب الحاوی بسم اللہ الرحمن الرحیم درج ہے تصویر کے نیچے الرازی لکھا ہے۔

زکریا الرازی ۱۸۴ کتابوں کا مصنف تھا اس کی چند ایک کتابوں کے نام یہ ہیں۔ کتاب کیفیہ الابصار، کتاب الطب الملوکی، کتاب الفالج، کتاب اللقوۃ، کتاب ہیئت القلب الرازی نے الکحل ایجاد کی۔ سلفیورک ایسڈ ایجاد کیا۔ عمل جراحی میں اس نے کار آمد آلہ ایجاد کیا جس کا نام نشتر Seton ہے۔ دواؤں کے وزن کیلئے اس نے میزان طبعی Balance Hydrostatic ایجاد کیا۔ علم طب میں وہ یقیناً طبیب اعظم کا درجہ رکھتا ہے۔ ثابت ابن قرہ (۸۳۶ء تا ۹۰۱ء) کی طبی تصانیف یہ تھیں۔ کتاب فی النبض، کتاب فی اوجاع الکلی وال المثانہ علی ابن العباس (۹۹۴ء) سلطان عضد الدولہ کا شاہی طبیب تھا اس کا لاطینی نام Haly Abbas ہے اس نے میڈیسن میں کتاب المالکی (Royal Book) تحریر کی یہ میڈیسن کی پہلی کتاب تھی جس کا لاطینی ترجمہ ۱۱۲۷ء میں Liber Regius کے عنوان سے ہوا۔ یہ وینس سے ۱۴۹۲ء میں طبع ہوئی Lyon سے ۱۵۲۳ء قسطنطین افریقن نے اس کا ترجمہ Pantegni کے عنوان سے ۱۵۳۹ء میں چھاپا عربی میں یہ کتاب دو جلدوں میں ۱۲۹۴ء میں قاہرہ سے طبع ہوئی۔

حنین ابن اسحٰق (م ۷۷) کی کتاب تاریخ الاطباء بہت مشہور تھی اس کے علاوہ اس نے کتاب علل العین، کتاب

القرح، کتاب کناش الحث، کتاب الانسان، کتاب الاغذیہ لکھیں۔ اس نے جالینوس کی ۱۳۰ کتب کا ترجمہ کیا اور اس کے بیٹے اسحق نے نوے کتب کے تراجم کئے۔

پرنس آف فزیشن بو علی سینا کی کتاب القانون فی الطب کا لاطینی ترجمہ بارہویں صدی میں Liber Canonis جیرارڈ آف کریمونا نے کیا جو ۱۵۴۴ء، ۱۵۸۲ء، ۱۵۹۵ء میں طبع ہوا۔ عربی ایڈیشن روم سے ۱۵۹۳ء میں طبع ہوا۔ اس عظیم کتاب کے جزوی تراجم میلان ۱۴۷۳ء وینس ۱۴۸۳ء، پڈوا ۱۴۷۶ء عبرانی ترجمہ نیپلز ۱۴۹۱ء عربی اور جرمن ایڈیشن اکٹھا ۱۷۹۶ء Halle سے طبع ہوا۔ (حوالہ کتاب: ہسٹری آف سائنس، جارج سارٹن ۱۹۲۷ء)

چھ سو سال تک یہ کتاب یورپ کے میڈیکل کالجز میں پڑھائی جاتی رہی۔ پندرہویں صدی میں اس کے سولہ ایڈیشن اور سولہویں صدی میں بیس ایڈیشن شائع ہوئے۔ سترہویں صدی میں اس کے اور بھی ان گنت ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ لاطینی اور عبرانی میں اس پر بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ ابن سینا کی دوسری مشہور کتابیں یہ تھیں۔ کتاب الشفاء، کتاب القولنج، کتاب الحواشی علی القانون، کتاب الادویہ القلبیہ، یورپ میں القانون کو تو لوگ طب کی میڈیسن of Medicine Bibble کہتے تھے۔

اسلامی سپین نے بھی بہت سے شہرہ آفاق ڈاکٹر پیدا کئے ان میں الزاہروی، ابن زہر، ابن رشد، ابن طفیل، الزرقالی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ابو القاسم الزاہراوی (م ۱۰۰۹ء) کی سب سے مشہور کتاب کا نام التصریف تھا جو فی الواقعہ سرجری کا انسائیکلوپیڈیا ہے اس کتاب میں اس ماہر سرجن نے سرجری کے اوزاروں کی تصاویر پیش کیں جو اس نے اپنی پریکٹس میں استعمال کئے تھے۔ اسلامی میڈیسن میں یہ کتاب بھی ایک شاہکار کتاب مانی جاتی ہے۔

باقی آئندہ

خدام کیلئے ایک دلچسپ سلسلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں ایک عظیم علمی خزانہ ہیں۔ خدام ہر ماہ مرکز کی طرف سے مقررہ کتاب کا مطالعہ کریں۔ چونکہ دوران سال تقسیم کردہ کتابیں روحانی خزائن کی جلدوں کے مطابق رکھی گئی ہیں۔ اسلئے یہ سلسلہ شروع کیا جارہا ہے کہ ایسے خدام جو روحانی خزائن کی "ایک مکمل جلد" پڑھ لیں گے انہیں ایک خوبصورت سند جاری کی جایا کرے گی نیز ان خدام کے نام رسالہ خالد میں بھی شائع کئے جائیں گے۔ آپ سب کو چاہئے کہ اس دلچسپ سلسلے میں حصہ لیں اور علم کے ان عظیم خزانوں سے حصہ حاصل کریں۔ آپ کی یاد دہانی کیلئے کتابوں کی ماہوار تقسیم ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

نومبر 1999ء	معیار المذاہب
دسمبر 1999ء	آریہ دھرم
جنوری 2000ء	ست بچن (نصف اول)
فروری	ست بچن (نصف دوم)
اپریل	انجام آتھم
مئی	سراج منیر
جون	استفتاء
جولائی	حجۃ اللہ
اگست	تحفہ قیصریہ
ستمبر	محمود کی آمین + سراج الدین عیسائی کے 4 سوالوں کے جواب
اکتوبر	کتاب البریہ

سند کے حصول کیلئے قائد صاحب مجلس کی تصدیق کے ساتھ اپنی رپورٹ جلد از جلد ارسال کریں۔

شعبہ تعلیم
مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

قمر اجنالوی کا ادبی مرتبہ و مقام

وہ اس ادبی دور کا ایک عظیم فنکار اور منفرد اسلوب رکھنے والا عظیم المرتبت ادیب تھا

(مقالہ نگار مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی سابق مدیر روزنامہ الفضل)

قمر اجنالوی اردو کے نثری اور شعری ادب سے متعلق جملہ علوم و فنون میں پوری دسترس رکھنے والے ایک بہت بڑے نثر نگار اور غزل گو شاعر باکمال تھے۔ وہ اپنی بیش بہا نثری و شعری تخلیقات کے ذریعہ مضامین نو کے انبار لگا کر اردو ادب کو نکھارنے اور اپنی جدت طرازیوں سے اس میں گرانقدر اضافے کرنے کا موجب بنے۔

وہ ایک بہت کثیر المطالعہ ادیب تھے۔ انہوں نے لائبریریوں کی بے شمار کتابوں کے گھونٹے نہیں لگائے تھے۔ البتہ وہ ان کتابوں میں پوشیدہ علوم و فنون کو گھونٹ کر ضرور پی گئے تھے۔ اسی لئے ان کی جملہ تخلیقات میں وہ افسانے ہوں یا ناول، مضامین ہوں یا اداریے اور سیاسی کالم، نظمیں ہوں یا غزلیں، قصائد ہوں یا نعتیں، قطعات ہوں یا رباعیات، ان میں ان کے مطالعہ کی گہرائی و گیرائی کی جھلک ضرور موجود ہوتی تھی۔ پھر بطور خاص جہاں تک نثری تخلیقات کے ضمن میں زبان و بیان پر قدرت اور اسلوب تحریر کی ندرت کا تعلق ہے۔ یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انہیں جذبات و احساسات اور نئے نئے افکار و خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے اور پھر ان الفاظ کو دلکش و دل آویز تحریر کے قالب میں ڈھالنے کا فن خوب آتا تھا اور قلم کے جوہر دکھانے کے ڈھنگ سے بھی خوب آگاہ تھے۔ وہ بلا شبہ بہت جاذب و پرکشش اسلوب تحریر کے مالک ہونے کے باعث صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ انشاء پرداز تھے۔

بالخصوص تاریخی ناول لکھنے میں تو قمر اجنالوی نے ایک ایسا منفرد انداز اختیار کیا کہ جس نے انہیں تاریخی ناول لکھنے والے تمام متقدمین و متاخرین سے ممیز و ممتاز کر دکھایا۔ سب سے نمایاں اور دوسروں سے یکسر سوا و جدا بات یہ ہے کہ انہوں نے ازمنہ قدیم کے بعض ایسے واقعات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا جو تاریخ کے گمنام گوشوں سے تعلق رکھتے تھے اور تشنہ تحقیق چلے آرہے تھے۔ اس لئے پہلے انہیں واقعات کی چھان پھٹک میں کمال درجہ تحقیق و تدقیق کا حق ادا کرنا پڑا۔ پھر اصل حقائق دریافت کرنے کے بعد انہوں نے ان حقائق کو ایک نہایت ہی دلچسپ سچی کہانی کے پہلو بہ پہلو اس پرکشش انداز میں تحریر کیا کہ کہانی کے آگے بڑھنے اور دلچسپی میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے نامعلوم تاریخی حقائق بھی نکھر کر سامنے آتے اور ذہن نشین ہوتے چلے گئے۔ اس کی سب سے واضح اور نمایاں مثال ان کا مشہور و معروف ضخیم ناول "چاہ بابل" ہے۔ بڑے سائز کے آٹھ سو صفحات پر پھیلے ہوئے اس ناول نے ۱۹۸۵ء میں پہلی بار منصہ شہود پر آکر ادبی حلقوں میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس کی بھاری بھرکم ضخامت اور اس کے مطابق اچھی خاصی گراں قیمت کے باوجود شائقین ادب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ چنانچہ بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوتے چلے گئے۔ ناول کا نسخہ جو میرے مطالعہ میں آیا وہ تیسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ تھا۔

"چاہ بابل" نامی یہ ناول دجلہ و فرات کے دو آبہ عراق سے آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے کے قدیم زمانے کی ایک لذت آفرین اور

عشق انگیز کہانی ہے جس کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے لئے قمر اجنالوی کو ایک سچے اور حقیقی مؤرخ کا روپ دھار کر پہلے تحقیق و تدقیق کی کٹھنائیوں میں سے گزرنا پڑا اور پھر اس مؤرخ نے ایک کہانی نویس اور داستان گو کے روپ میں واپس آکر دریافت کردہ تاریخی حقائق کو اس قدر دلچسپ اور دلکش انداز میں تحریر کیا کہ اس زمانہ کے شائقین علم وادب کو پہلی بار زمانہ قدیم کی ایک ایسی سچی تاریخی کہانی پڑھنے کو ملی جو انہوں نے پہلے کبھی سنی پڑھی نہ تھی۔ اس ناول کے زیور طباعت سے آراستہ ہونے پر علمی و ادبی حلقوں میں جو تہلکہ مچا اس کا اندازہ جناب احمد ندیم قاسمی جیسے بلند پایہ ادیب کے اس تبصرہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اسے پڑھ کر سپرد قلم کیا۔ انہوں نے اپنے اس تبصرہ میں اولاً قمر اجنالوی کی تحقیقی صلاحیتوں کو پرزور انداز میں سراہتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"تاریخی ناول ہر زبان میں مدتوں سے لکھے جا رہے ہیں مگر ان ناولوں کی غالب اکثریت صدی دو صدی یا زیادہ سے زیادہ پانچ سات صدی قبل کی تاریخ سے متعلق ہوتی ہے۔ کسی نے بہت تیر مارا تو ایک ہزار برس پیچھے چلا گیا۔ یہ حوصلہ قمر اجنالوی کا تھا کہ وہ آج سے قریب قریب ڈھائی ہزار سال پرانی تاریخ کے دھندلکوں میں اتر گیا اور ایک ایسے عہد کو اپنے حیرت انگیز ناول کے لئے منتخب کیا جس کے بارہ میں معلومات بہت محدود ہیں البتہ روایات بے شمار ہیں۔ قمر اجنالوی کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب وہ تاریخ کا کوئی دور اپنے ناول میں لاتا ہے تو پوری فنکارانہ دیانتداری کے ساتھ ہر ممکن حد تک سچ بولتا ہے۔...... قمر اجنالوی نے اس بارہ میں بہت احتیاط برتی ہے اور یوں اس کا یہ تاریخی ناول ہمارے ہاں کے فیشن ایبل تاریخی ناولوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سچا اور حقیقت پسندانہ معلوم ہوتا ہے۔...... بنیادی معلومات کی شدید کمی نے قمر کو مجبور کر دیا کہ وہ دنیا بھر کے علوم و فنون، کتب تاریخ، آثار عتیقہ وغیرہ کو کھنگال ڈالے۔ چنانچہ صرف ایک ناول کو سچائی اور صداقت کے قریب تر لانے کے لئے اس نے ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کیا اور یوں بابل اور تہذیب بابل کے بارہ میں اتنی بے شمار معلومات جمع کر لیں کہ شاید ہی کسی ناول نویس نے اپنے موضوع سے متعلق اتنی محنت شاقہ سے کام لیا ہوگا...... مصنف جگہ جگہ ان کتابوں کے حوالے دیتا چلا گیا ہے جن سے اس نے بابل کے بارہ میں معلومات حاصل کرنے کے سلسلہ میں استفادہ کیا ہے۔ یوں یہ ناول ایک طرح کا حوالہ جاتی ذخیرہ بھی بن جاتا ہے۔"

جناب احمد ندیم قاسمی نے قمر اجنالوی کی تحقیقی صلاحیتوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے علاوہ ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ موضوع کے مناسب حال ان کے مخصوص اسلوب تحریر کی بھی بہت تعریف کی۔ انہوں نے اپنے تبصرہ میں مزید رقم فرمایا:۔

"میں نے جب "چاہ بابل" کے بعض حصوں پر جستہ جستہ نظر ڈالی تو مجھے محسوس ہوا کہ قمر نے اپنے حاصل مطالعہ کو نہایت سلیقے اور قرینے کے ساتھ اپنے ناول میں کھپایا ہے۔ قمر کے اس طرز عمل میں اتنی بے ساختگی ہے کہ آورد کا کہیں گمان نہیں ہوتا۔ پھر یہ تاثر بھی کہیں نہیں ملتا کہ وہ خواہ مخواہ اپنی علمیت بگھارتا رہا ہے۔ اور اپنے قارئین کو کہانی سنانے کی بجائے ان پر رعب گانٹھے جارہا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے تو اس ناول کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسا لگا ہے جیسے آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے کا ایک تخلیق کار قمر کے روپ میں

واپس آکر اپنے آنکھوں دیکھے حالات اور اپنے برتے ہوئے کرداروں کی باتیں سنا رہا ہے جن میں تکلف نام کو بھی نہیں۔ حقائق کا ایک مصفا چشمہ ہے جو ہموار رفتار کے ساتھ بہا چلا جا رہا ہے۔"

جناب احمد ندیم قاسمی نے اپنے اس گرانقدر تبصرے کے آخر میں قمر اجنالوی کے ناول "چاہ بابل" کے ادبی مرتبہ و مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ "چاہ بابل" اردو کے تاریخی ناولوں کے ذخیرے میں ایک بہت اہم اور بہت روشن اضافہ ہے۔ "اہم" اس لئے کہ اس موضوع پر یہ پہلا ناول ہے جو معلومہ تاریخ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر لکھا گیا ہے اور "روشن" اس لئے کہ یہ ناول آئندہ کے لئے تاریخی ناول نگاروں کے نظریے و اسلوب میں بھی مثبت انقلاب برپا کرنے کی بنیاد بن سکتا ہے۔"

قمر اجنالوی کی نثری تخلیقات میں سے ایک تخلیق پر جناب احمد ندیم قاسمی جیسے بلند پایہ ادیب کا یہ وقیع تبصرہ اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ادبی اعتبار سے قمر اجنالوی کا مرتبہ کچھ کم بلند نہ تھا۔ وہ واقعی اس دور کا ایک عظیم قلمکار اور منفرد اسلوب رکھنے والا ایک عظیم المرتبت ادیب تھا۔ اس نے اپنی گرانقدر تخلیقات کے ذریعہ اردو کو مزید مالا مال کرنے میں بہت اہم اور نمایاں کردار ادا کیا اسی لئے شائقین ادب نے اسے سر آنکھوں پہ بٹھایا اور اساتذہ فن نے اس کی اس ادبی خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے جی بھر کے سراہا اور اسے اپنے درمیان جگہ دے کر آشکار کر دکھایا کہ وہ ان کا ہم عصر ہی نہیں بلکہ ہمسر بھی ہے۔

"چاہ بابل" کے مطالعہ کے دوران قمر اجنالوی کی شخصیت ایک ہر فن مولیٰ ادیب کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتی ہے۔ مثال کے طور پر ناول کے دسویں باب بعنوان "رقصِ عبادت" میں انہوں نے شاہی رقاصہ زہرہ جمال بید خت اور اس کی بے شمار ہمجولیوں کے رقص کا نقشہ اس مہارت سے کھینچا ہے کہ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس رنگین محفل میں شریک ہو کر رقص سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور اس کی اپنی حیثیت ایک محو حیرت تماشائی کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ تاثر بھی ابھرتا ہے کہ مصنف رقص کے جملہ رموز اور نت نئے بھاؤ پینتروں پر پورا عبور رکھتا ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اس قدر تفصیل کے ساتھ رقص کی منظر کشی پہ قادر نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح وہ ناول کے ۲۳ ویں باب "انتقام" میں جب چاہ بابل کے پہریداروں اور ان کے سردار ریمو کے ساتھ مہر تاب اور ملاحوں کے سردار سیسرا کی شمشیر زنی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے یا بعض دیگر ابواب میں مہر تاب دوسرے سورماؤں کو شمشیر زنی میں نیچا دکھاتا ہے۔ تو قاری یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتا کہ مصنف خود شمشیر زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا جبھی تو وہ شمشیر زنی کے داؤ پیچ اور ان کی مخصوص اصلاحوں کو کمال مہارت سے استعمال کر کے ایسا سماں باندھتا چلا جاتا ہے کہ قاری کو تلواروں کی جھنکار سنائی دینے لگتی ہے اور اسے نظر آنے لگتا ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کشتوں کے پشتے لگتے چلے جا رہے ہیں۔ بعینہ جب مصنف بابل شہر کی بلند وبالا پرہیبت فصیلوں، عالیشان میناروں، پرشکوہ برجوں آراستہ و پیراستہ ایوانوں، پررونق بازاروں، چھوٹے بڑے گلی کوچوں کی منظر کشی پر آتا ہے تو وہ یکدم ایک عظیم ماہر تعمیرات کا روپ دھار لیتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ وہ بلند و بالا فصیلیں، عالیشان مینار اور برج نیز محلات و باغات اس کی نگرانی میں تعمیر ہوئے تھے۔ ظاہر ہے مصنف ہر فن مولا نہیں تھا لیکن وہ ایسا ماہر قلمکار اور ایسا زبردست انشاء پرداز ضرور تھا کہ ہر موقع و محل اور ہر صورت حال کا کمال مہارت سے نقشہ کھینچنا اور اصل منظر کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر دوسروں کی آنکھوں کے سامنے لے آنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

اس شاہکار قسم کے ضخیم ناول کا مطالعہ کرنے کے بعد ذو آبہ

عراق میں اڑھائی ہزار سال پہلے عروج پکڑنے اور دور دور تک اپنا سکہ بٹھانے اور پھر بالآخر اپنی عیش کوشیوں کی وجہ سے نیست و نابود ہو جانے والی کلدانی قوم کی قسمت پر حیرت ہے کہ دنیا سے اس کا نام و نشان مٹنے کے باوجود اڑھائی ہزار سال بعد اسے قمر اجنالوی کے وجود میں ایک ایسا محقق و مؤرخ اور سحر کار ادیب و انشاء پرواز میسر آگیا جس نے اس کے تاریخی آثار کا کھوج لگا کر اس کے تہذیب و تمدن کی ایک جیتی جاگتی تصویر دنیا کے سامنے پیش کر کے اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور وہ اس عظیم قلمکار کی تحقیقی اور ادبی صلاحیتوں کو خراج عقیدت پیش کئے بغیر نہ رہی۔

ایک "چاہ بابل" ہی نہیں قمر اجنالوی کا تحریر کردہ ہر ناول اسی شان اور اسی مرتبہ و مقام کا حامل ہے۔ ناول نویسی میں انہوں نے جو منفرد مقام حاصل کیا اساتذہ فن نے اس کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے انہیں کچھ کم خراج عقیدت پیش نہیں کیا۔ چنانچہ نثر نگاری میں قمر اجنالوی کے بلند مرتبہ و مقام کے اس مختصر تذکرے کو میں جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف انجم صدر شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک فقرے پر ختم کرتا ہوں جس میں انہوں نے دریا کو کوزہ میں بند کر دکھایا ہے اور جو حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا:۔

"قمر اجنالوی بطور ناول نگار اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ پلاٹ کی تشکیل، کردار کی پیشکش اور حقیقی تاریخی واقعات کو جمالیاتی رنگ دینے میں آج ان کا شاید ہی کوئی ثانی ہو۔"

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا، قمر اجنالوی بہت بلند پایہ نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت پختہ کار اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ نثری ادب کی طرح انہیں شعری ادب میں بھی منفرد مقام حاصل تھا۔ وہ غزل، نظم اور جملہ شعری اصناف میں پوری دسترس رکھتے تھے۔ شاعری میں ان کے مرتبہ و مقام کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض بڑے بڑے مشاعروں میں مہمان خصوصی کے طور پر انہیں مدعو کیا جاتا تھا پھر ان کی خدمت میں کرسی صدارت پر رونق افروز ہونے کی درخواست کی جاتی تھی۔ شعر گوئی میں ایک خاص وصف انہیں یہ بھی حاصل تھا کہ وہ منقوط ہی نہیں غیر منقوط کلام کہنے پر بھی قادر تھے۔ اور اپنے اس وصف کی وجہ سے بعض اوقات مشاعروں پر چھا جایا کرتے تھے۔ میں نمونے اور مثال کے طور پر ایک غیر منقوط نعتیہ قطعہ یہاں پیش کرتا ہوں۔ کیا خوب کہا ہے ؎

لکھی ہے مدح سرکارؐ دو عالم
کلی دل کی ہوا سے کھل گئی ہے
سحر طالع ہوئی دور عمل کی
محمدؐ کی گدائی مل گئی ہے

قمر اجنالوی نے جس پائے کی شاعری کی اور اردو کے شعری ادب میں اپنے لئے جو نمایاں و ممتاز مقام پیدا کیا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملک کے بعض ممتاز شعراء نے ان کی شان میں نظمیں کہہ کر ان کی شعری تخلیقات پر ان کی خدمت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ میں طوالت کے خوف سے یہاں صرف دو شعرا کے بعض اشعار پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ جناب شریف شیوہ صاحب نے قمر اجنالوی کو اپنی ایک نظم میں ماہتاب نثر اور مہر سخن قرار دیتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کیا ہے۔

تو ماہتاب نثر ہے، مہر سخن بھی ہے
یاران راہ فن کے لئے میر فن بھی ہے
آہنگِ نو کے تو نے کھلائے ہیں وہ گلاب
باغ ادب میں جن کا نہیں ہے کوئی جواب
تیرا ہر ایک شعر ادب کا جہان ہے
لفظوں کا انتخاب سلیقے کی جان ہے
لہجے میں دل نوازیٔ ندرت کا اہتمام
یکساں ہے سب کے دل پہ مؤثر تیرا کلام

تاریکیوں میں تو ہے کرن آفتاب کی
خاموشیوں میں تو ہے صدا انقلاب کی
اسلوب منفرد ہے جدا تیری سوچ ہے
شعروں میں تیرے حسن ہے جدت ہے لوچ ہے
تو ان کا ہمسفر ہے جو گنتی میں چند ہیں
لیکن مقام شعرو ادب میں بلند ہیں

اسی طرح جناب اقبال راہی صاحب نے اپنی ایک نظم میں قمر اجنالوی صاحب کو ادب کا بابِ رخشندہ قرار دے کر ان کی شعری صلاحیتوں کو بہت پر زور انداز میں خراج عقیدت پیش کیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تو ادب کا بابِ رخشندہ قمر اجنالوی
فکر و فن کا تو نمائندہ' قمر اجنالوی
نثر بھی یکتا ہے تیری' نظم بھی ہے بے مثال
تجھ سے شاہکار ادب ہوتے ہیں پیدا خال خال
تو خیال و فکر کی منہ بولتی تصویر ہے
باعث تسکین جان تیری قوی تحریر ہے
تو ہزاروں سال اس دھرتی کا باشندہ رہے
نام تیرا ملک کی تاریخ میں زندہ رہے

اس کے ہم عصر اہل ادب اس کی تعریف میں کیوں رطب اللسان نہ ہوتے جب کہ اس کا ہر شعر ہی ادبی حسن کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہوتا تھا اور اس بناء پر ہر شعر ہی

"وہ بات' بات ہے جو تمہارے سخن میں ہے"

کا مصداق ہوتا تھا۔ وہ یوں تو شروع ہی سے ملک بھر کے ادبی حلقوں میں بے حد مقبول تھا لیکن جب اس نے اپنے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد ﷺ کی شان میں ایک معرکہ آراء طویل "قصیدہ بنام خیر الانام" کے نام سے لکھا اور جو اپنی طوالت کی وجہ سے ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں بہت اہتمام سے شائع ہوا اس قصیدہ نے ایک شاعر باکمال کی حیثیت سے اسے شہرت کی ان بلندیوں تک جا پہنچایا جہاں تک بہت کم اصحاب فن کی رسائی ہوتی ہے۔ اس قصیدہ نے اسے چوٹی کے اساتذہ فن کی صف اول میں لا بٹھایا اور اس طرح وہ نعت رسول ﷺ کے طفیل شہرت عام اور بقائے دوام کا سزاوار ٹھہرا۔ اس کے اس قصیدے کو ملک بھر کے ادبی حلقوں میں مولانا حالی کی مسدس اور علامہ اقبال کے شکوہ اور جواب شکوہ کے بعد اردو شاعری میں منفرد مقام کا حامل قرار دیا گیا۔ اس قصیدے کے فنی اور معنوی کمالات ایک علیحدہ مقالے کے متقاضی ہیں۔

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ انشاپرداز اور وہ پختہ کار شاعر باکمال جو قمر اجنالوی کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا اور جو زندگی بھر اپنے افسانوں' ناولوں' غزلوں' نظموں اور نعتوں سے دلوں کو گرماتا رہا غمہائے روزگار کے دفتر طے کرنے کے بعد بالآخر اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا۔ اس نے آخری حصہ عمر میں ماہ صیام کی آمد پر ایک قطعہ کہا تھا جو آئینہ دار ہے اس امر کا کہ آخر کار اس کے شب و روز فکر عاقبت میں گزر رہے تھے۔ میں اس قطعہ پر ہی اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں قمر نے کہا تھا۔

طے کر چکا ہوں دفتر غم ہائے روزگار
اب فکر عاقبت کا قمر اہتمام ہے
ساقی عطا ہو کوزہ کوثر کوئی مجھے
بدلی ہے رت کہ آمد ماہ صیام ہے

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ قمر اجنالوی کی عاقبت بخیر کرے' اسے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور بفیض مصطفیٰ ﷺ کوزہ کوثر بھی اسے عطا ہو تا اپنی مراد پا کر دائمی خوشی اور خوشحالی نصیب ہو۔ آمین

عید کارڈ اور نوجوان نسل

''یہ بہت بُرا دستور ہے ۔ احباب کو چاہئے کہ اس رسم کو ترک کر دیں''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک نہایت ضروری ارشاد

عید کی آمد آمد ہے اور اس خوشی کے موقعہ پر بعض ایسے کام بھی ہم کر جاتے ہیں۔ جن میں کہ بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے اور ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہئے جو کہ خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہو۔ ان کافی ساری باتوں میں سے ایک بات عید کارڈ ہیں۔ عید کارڈ کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک ارشاد درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

''...... یہ اسراف ہے اور بے ضرورت روپیہ ضائع کیا جاتا ہے بہتر ہو کہ لوگ اس کو (دعوت الی اللہ) میں خرچ کریں ہم نے دیکھا ہے کہ نوجوانوں اور چھوٹے بچوں میں اس کا بہت رواج ہے۔ بچے بلکہ بعض ادھیڑ حضرات بڑی بڑی قیمت کے کارڈ خرید کر پھر لفافوں میں بند کر کے دوستوں کو بھیجتے ہیں۔ یہ بہت بُرا دستور ہے احباب کو چاہئے کہ اس رسم کو ترک کر دیں ...... کیونکہ یہ فضول خرچی ہے اور (دین حق) فضول خرچی کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔'' (الفضل 15 ستمبر 1917ء)

''لغو کاموں سے اعراض کرنا مومن کی شان ہے'' (ارشاد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

رسالہ ''خالد'' اور ''تشحیذ الاذہان'' جاری کروانے کا طریق

قائد صاحب مجلس کے ذریعہ شرح کے مطابق سالانہ چندہ جمع کروا کے رسید حاصل کی جائے اور رسید پر اپنا مکمل پتہ لکھوایا جائے۔ اگر پہلے سے خریدار ہیں تو خریداری نمبر بھی درج کروائیں اور اس رسید کی فوٹو کاپی ایوان محمود ربوہ بھجوا کر ادارہ کو اطلاع کی جائے۔ قائدین اور زعماء خریداران کی رقوم اور ان کے مکمل ایڈریس ساتھ ساتھ مرکز ارسال کرتے رہیں تا ان کے نام فوری رسائل جاری کئے جا سکیں۔ یا براہ راست مینیجر رسالہ ''خالد'' و ''تشحیذ الاذھان'' ایوان محمود ربوہ کے نام چندہ خریداری بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ بھجوا دیں۔ طلب کرنے پر VP بھی بھجوائی جا سکتی ہے۔ (مینیجر رسالہ ''خالد'' و ''تشحیذ الاذھان'')

''آپ کے چندہ کی مدت خریداری باہر ایڈریس کی چٹ پر لکھی گئی ہے۔ اپنا چندہ ختم ہونے سے قبل ہی آئندہ کیلئے چندہ بھجوا دیں تا ترسیل میں کوئی وقفہ نہ ہو۔'' (مینیجر)

رمضان کی اصل برکت

رمضان خصوصیت کے ساتھ تہجد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز فرماتے ہیں :-

"حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک کا ذکر فرمایا اور اسے تمام مہینوں سے افضل قرار دیا اور فرمایا جو شخص رمضان کے مہینے میں حالت ایمان میں ثواب اور اخلاص کی خاطر عبادت کرتا ہے وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا- تو ہر رمضان ہمارے لئے ایک نئی پیدائش کی خوشخبری لے کر آتا ہے-

اگر ہم ان شرطوں کے ساتھ رمضان سے گزر جائیں جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں تو گویا ہر سال ایک نئی روحانی پیدائش ہو گی اور گزشتہ تمام گناہوں کے داغ دھل جائیں گے-

ایک دوسری حدیث بخاری کتاب الصوم سے لی گئی ہے "باب من فضل من قام رمضان"- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمان کے تقاضے اور ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں-

ان دونوں حدیثوں میں تھوڑا سا فرق ہے- پہلی حدیث میں عبادت کا عمومی ذکر تھا جو اخلاص کے ساتھ ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے عبادت کرتا اس کی گویا کہ از سر نو روحانی پیدائش ہوتی ہے، یہاں تہجد کی نماز کا خصوصیت سے ذکر فرمایا گیا ہے جو رمضان کی راتوں میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں- پس رمضان خصوصیت کے ساتھ تہجد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یعنی تہجد کی نمازیں یوں کہنا چاہئے خصوصیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اگرچہ دوسرے مہینوں میں بھی پڑھی جاتی ہیں- اور اس پہلو سے وہ سب جو روزے رکھتے ہیں ان کے لئے تہجد میں داخل ہونے کا ایک راستہ کھل جاتا ہے- کیونکہ اس کے بغیر اگر عام دنوں میں تہجد پڑھنے کی کوشش کی جائے تو ہو سکتا ہے بعض طبیعتوں پر گراں گزرے مگر رمضان میں جب اٹھنا ہے تو روحانی غذا بھی کیوں انسان شامل نہ کرلے- اس لئے اسے اپنا ایک دستور بنالیں اور بچوں کو بھی ہمیشہ تاکید کریں کہ اگر وہ سحری کی خاطر اٹھتے ہیں تو ساتھ دو نفل بھی پڑھ لیا کریں اور اگر روزے رکھنے کی عمر کو پہنچ گئے ہیں پھر تو ان کو ضرور نوافل کی طرف متوجہ کرنا چاہئے- یہ درست نہیں کہ اٹھیں اور آنکھیں ملتے ہوئے سیدھا کھانے کی میز پر آجائیں، یہ رمضان کی روح کے منافی ہے- اور جیسا کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا اصل برکت تہجد کی نماز سے حاصل کی جاتی ہے اور امید ہے کہ اس کو اب رواج دیا جائے گا بچوں میں بھی اور بڑوں میں بھی-

(بحوالہ خطبہ جمعہ فرمودہ 26 جنوری 98ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل)

قطعہ بر شہادت

مکرم و محترم مرزا غلام قادر صاحب

آہ ! یارو ! وہ چراغِ دیدہ روحانیاں
جو سراپا تھا مثال اسوہ نورانیاں
اس سے روشن تھی سراسر محفل یزدانیاں
اس سے وابستہ تھی لوگو ! رونق بستانیاں
"اضطراب شوق" تھا یا روح کی جولانیاں
یا شہادت کے لئے تھیں، خون کی ارزانیاں

(مکرم یعقوب امجد صاحب۔ کھاریاں)

خدام توجہ فرمائیں..................!

اگر آپ مضمون نویسی کا شوق رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحریر کا ملکہ عطا کیا ہے تو مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان آپ کو یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ آپ دورانِ سال مضمون نویسی کے چار مقابلوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ہر سہ ماہی کے لئے مقرر کردہ عناوین کی فہرست ذیل میں درج کی جارہی ہے۔ ان کے مطابق مضامین لکھیں اور سندات اور انعامات بھی حاصل کریں۔

سہ ماہی اول :	"تربیت نومبائعین طریق اور فوائد"	آخری تاریخ 15 جنوری 2000ء
سہ ماہی دوم :	"بیوت الذکر کے آداب اور برکات"	آخری تاریخ 15 اپریل 2000ء
سہ ماہی سوم :	"یتامی کی خبر گیری"	آخری تاریخ 15 جولائی 2000ء
سہ ماہی چہارم :	"بدرسومات کے خلاف جہاد"	آخری تاریخ 15 اکتوبر 2000ء

نومبر کے شمارہ میں صفحہ 15 اور صفحہ 16 پر غلط پیسٹنگ کی وجہ سے اس مضمون کے کالم کی ترتیب درست نہیں رہی جس کی بناء پر مضمون گڈ مڈ ہو گیا۔ لہذا اس مضمون کو دسمبر میں دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ ادارہ اس سہو پر معذرت خواہ ہے۔

قراردادِ تعزیت بر وفات مکرم ڈاکٹر راجہ نذیر احمد صاحب ظفر

محترم راجہ نذیر احمد صاحب ظفر مورخہ 6 نومبر 1999ء فضلِ عمر ہسپتال ربوہ میں حرکتِ قلب بند ہو جانیکی وجہ سے وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

محترم راجہ صاحب...... ......ہججکہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی اور مولوی فاضل کے ساتھ ساتھ ایم اے ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔

محترم راجہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے شعر گوئی کا ملکہ بھی عطا کیا تھا اور مختلف موضوعات پر آپ نے نظمیں لکھیں۔ آپ کا کلام مختلف جماعتی اخبارات ورسائل میں شائع ہوتا ہے۔ آپ کراچی سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ ادبی رسالہ "المصلح" کے نائب ایڈیٹر بھی رہے۔

آپ کے ادبی ذوق شوق اور شعر گوئی کی تعریف متعدد مرتبہ پیارے آقا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔

محترم راجہ صاحب نڈر داعی الی اللہ تھے اور دعوت الی اللہ کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش ہوتے اور اس طرح متعدد سعید روحوں کو آپکے ذریعہ قبولِ حق کی توفیق ملی۔

آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سعادت بھی حاصل رہی کہ ربوہ میں نمایاں مالی خدمت کرنے والوں میں سر فہرست آپ کا نام تھا۔ تحریک جدید کے رواں مالی سال میں ربوہ میں سب سے زیادہ چندہ ادا کرنیکا اعزاز بھی آپ کے حصہ میں آیا۔ اس کے علاوہ بھی مالی قربانی اور غریب پروری میں آپ ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ جماعتی کاموں میں بھی خدمتِ دین کے بے لوث جذبہ سے آپ سرشار تھے۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ آپکی ایک نمایاں خوبی خلافت سے والہانہ عشق تھا اور یہ جذبہ محبت و عشق آخری دَم تک تمام رشتوں پر غالب رہا اور آخری سانسوں میں جب محترم راجہ صاحب اپنے بیٹوں کو دیکھ رہے تھے تو ان کی زبان پر جو فقرے تھے وہ اسی جذبہ کی عکاسی کرتے ہیں آپ نے جو آخری فقرے کہے وہ یہ تھے "حضور کو کہنا راجہ سلام کہتا تھا............"

اللہ تعالیٰ جانے والے کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی نیک یادوں کو ان کی اولاد کے ذریعہ ہمیشہ زندہ رکھے۔ آمین

آپ کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں ان میں سے ایک بیٹے مکرم راجہ رفیق احمد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان میں مہتمم مال کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ہم ممبران مجلس عاملہ آپ کے بیٹوں راجہ رفیق احمد صاحب و راجہ رشید احمد صاحب اور بیٹیوں اور دیگر رشتہ داروں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ لواحقین کو صبرِ جمیل کی توفیق دے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین کے مقام سے نوازے۔ آمین

ہم سب ہیں
ممبرانِ مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان

مانٹریال، کیوبک اور شانزے

(تحریر: پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)

کیوبیک کی بات شروع کرنا چاہی تو مجاز یاد آئے۔ مجاز لکھنوی اردو کے ترقی پسند شعراء کے سرخیلوں میں سے تھے۔"اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں" والے۔ پطرس بخاری نے لکھا ہے کہ لاہور آئے ادیبوں شاعروں سے مل کر بہت خوش ہوئے شہر کی بوباس بھی انہیں پسند آئی۔ کسی نے پوچھ لیا مجاز صاحب لاہور کیسا لگا؟ کہنے لگے شہر تو بہت اچھا ہے مگر یہاں لوگ پنجابی بہت بولتے ہیں اتو جناب کیوبیک کی سیر کرتے ہوئے میری بیٹی شائستہ نے پوچھا شہر کیسا لگا؟ میں نے یہی کہا بیٹی شہر تو خوب صورت ہے مگر لوگ فرانسیسی بہت بولتے ہیں۔

کینیڈا جانے کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت موقع ملتا رہتا ہے۔ برٹش کولمبیا اور وکٹوریہ تک بھی ہو آئے۔ ایڈمنٹن بھی دیکھ لیا راکیز کی سیر بھی کرلی مگر مانٹریال اور کیوبیک نہیں دیکھا تھا مزید بر آں کینیڈا کی ریل پر سفر کرنے کا بھی شوق تھا کہ دنیا کی تیز ترین گاڑی شن کان سین یعنی جاپانیوں کی بلٹ ٹرین پر بھی سفر کر لیا۔ جرمنی والوں کی تیز رفتاری بھی آزمالی برطانیہ اور سویڈن والوں کی پھرتیاں بھی دیکھ لیں۔ اب ذرا کینیڈا والوں کی گاڑی دیکھیں۔ دیکھ لی اوہی صوفی تبسم والی بات کہ گاؤں کا بچہ شہر میں آیا تو حیران ہوا کہ "وہاں کا کھمبا ویسا ہی لمبا اور وہاں کا ڈھول بھی ویسا ہی گول" نکلا۔ سو جناب! کینیڈا والوں کی گاڑی پر سفر کر کے پاکستان کا ریلوے سفر یاد آگیا اور یہ بات یاد آگئی کہ وہاں کے ریلوے انجن کینیڈا کے ہی بنائے اور بھیجے ہوئے ہیں۔ ہم نے مانٹریال کے سفر کا ارادہ ظاہر کیا تو سب لوگوں نے کہا ہوائی جہاز سے جایئے سستا بھی ہے اور وقت بھی کم لیتا ہے مگر ہمارے سر پر ریل کے سفر کی رٹ سوار تھی۔ طاہر بیٹے سے کہا ریزرویشن کروادو ایسا نہ ہو سیٹ نہ ملے۔ کہنے لگا سیٹ کی فکر نہ کریں

ٹکٹ خریدا تو اندازہ ہوا کہ ہوائی جہاز واقعی سستا تھا۔ کسی نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ راستہ میں کھانا پینا بھی ہوتا ہے اس کے پیسے ٹکٹ میں شامل ہیں۔ قہر درویش بر جانِ درویش ٹکٹ بھی لے لیا اور سٹیشن پر بھی بھاگم بھاگ پہنچ گئے۔ پلیٹ فارم پر پہنچے تو ہر بوگی کے سامنے ایک کنڈکٹر کھڑا تھا اس نے بڑے احترام کے ساتھ مانٹریال والی بوگی میں بٹھایا اور اپنے حساب سے مہنگے ٹکٹ کی تلافی کر دی۔ ٹکٹ لیا تو معلوم ہوا کہ گاڑی سوا سات بجے چلتی ہے ایک بجے مانٹریال پہنچے گی۔ یہ تو وہی لاہور سے پنڈی کا سفر ہو گیا۔

اتنے میں ایک صاحب کھانا بانٹتے ہوئے آئے۔ ہم نے پوچھا میاں کیا کیا ہے کہنے لگا یہ سینڈوچ ہیں کوک ہے یا کافی۔ ہم نے کہا یہ کھانا ہے یا ناشتہ؟ کہنے لگا جو جی میں آئے سمجھ لیجئے ناشتہ کا وقت ہے تو ناشتہ ہی ہے۔ ہم نے دیکھ بھال کے سینڈوچ اور کافی لے لی۔ کہنے لگا پندرہ ڈالر دیجئے۔ ہم ہکا بکا رہ گئے۔ پندرہ ڈالر؟ کس چیز کے؟ کیا یہ سب کچھ ٹکٹ میں شامل نہیں تھا؟ کہنے لگا نہیں۔ جلدی کیجئے مجھے دوسرے مسافروں کو بھی کچھ نہ کچھ دینا ہے۔ ہم نے کہا دینا ہے یا بیچنا ہے؟ وہ چپ ہو گیا مگر اس کے چہرہ پر وہ تاثر پیدا ہوا جو عام طور پر ان گھوڑوں کے چہرے پر پیدا ہوتا ہے جنہیں ہنہنانے کے دوران ہنہنانے سے روک دیا گیا ہو۔ ہم نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ ہم نے تو اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا تھا پھر اس بات پر اتنے جزبز کیوں ہو رہے ہیں؟ خیر یہ سوچ کر گاڑی سے باہر دیکھنے لگے۔ لینڈ سکیپ خوبصورت تھا۔ سبزہ ہی سبزہ۔ یوں لگا کہ سبزے کے سمندر میں تیرتے چلے جا رہے ہیں۔ طبیعت جو خراب ہو رہی تھی فرحت محسوس

ہکر نے لگی۔ ہم نے سوچا تھوڑا سا سولیں مگر نیند کہاں؟ سفر خواہ گاڑی کا ہو یا ہوائی جہاز کا ہمیں نیند نہیں آتی۔ محض آنکھیں بند کئے پڑے رہتے ہیں۔ ابھی اسی کیفیت میں تھے کہ اچانک ہم نے محسوس کیا کہ گاڑی کے اعلان کرنے کے سسٹم میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ مگر کچھ نہیں ہوا صرف اعلان کا پیٹرن بدلا تھا۔ کنڈکٹر گارڈ پہلے انگریزی میں اعلان کرتا تھا پھر فرانسیسی میں۔ اب اس نے اچانک پہلے فرانسیسی میں اعلان کرنے شروع کر دیئے پھر انگریزی میں۔ تب ہمیں احساس ہوا کہ ہم فرانسیسی بولنے والے علاقہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ بائیں طرف پہلے شتر مرغوں کا فارم آیا۔ ہم نے زندگی میں اتنے شتر مرغ کبھی اکٹھے نہیں دیکھے تھے۔ وہ سب بھی گردنیں اٹھائے گاڑی کی طرف دیکھ رہے تھے شاید انہوں نے بھی ہماری طرح کا ہکا بکا آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ پھر ہرنوں کی ڈاریں نظر آئیں۔ وہ پالتو تھے۔ ایک جگہ ایک تنہا لاما بھی کھڑا نظر آیا۔ ان لوگوں کو جانور پالنے کا خاص شوق لگتا ہے۔

ہمارے حساب سے آٹوا بھی آنا چاہئے تھا مگر گاڑی اسے چھوڑ کر سیدھی مانٹریال کی طرف بڑھ گئی۔ پھر خوبصورت چھوٹے چھوٹے شہر آنے لگے۔ ان کا طرز تعمیر اس پر دال تھا کہ یہ لوگ فرانسیسی آرکیٹکچر سے متاثر ہیں۔ پھر بڑی ریلوے لائن کے متوازی مقامی ریلوے لائن دوڑنے لگی جس پر مقامی گاڑیاں چلتی ہوں گی۔ گاڑی مانٹریال میں داخل ہوئی تو گویا لاہور میں داخل ہوئی پہلے ٹوٹے پھوٹے مکان آئے، پھر بوسیدہ اور بدرنگ عمارتیں آئیں رفتہ رفتہ ماڈرن سکائی سکریپر عمارتیں آنے لگیں تو صفائی اور نفاست کا احساس بھی ہوا۔ سٹیشن میں داخل ہونے سے پہلے گاڑی زیر زمین چلی گئی اور ایک نہایت تاریک زیر تعمیر پلیٹ فارم پر رکی۔ ہم نے اتر کر ادھر ادھر دیکھا عزیزی فہیم نظر نہ آیا پھر احساس ہوا کہ سب لوگ رواں زینوں کے ذریعہ اوپر جا رہے ہیں ہم بھی اوپر آئے ابھی ایسکیلیٹر اوپر پہنچا ہی تھا کہ عزیز فہیم احمد سامنے کھڑا تھا بلکہ ان کیساتھ ایک اور احمدی دوست (غالباً اشفاق نام تھا) بھی تھے۔ یک نہ شد دو شد۔ یہاں کا سسٹم یہ ہے کہ پلیٹ فارم تک صرف مسافر جا سکتا ہے اس کو لینے یا رخصت کرنے والا سٹیشن تک تو آسکتا ہے مگر گاڑی کے پلیٹ فارم تک نہیں آسکتا۔ یہ لوگ کیسے کیسے دلخراش یا جانفزا مناظر سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں مسافر ایک ہوتا ہے اس کو رخصت کرنے والے بیسیوں ہوتے ہیں اور پھر روانگی کے وقت جو افراتفری کا تماشا ہوتا ہے وہ الگ۔ وہ جو لطیفہ مشہور ہے کہ سردار جی ہانپتے کانپتے بڑی مشکل سے چلتی ریل میں سوار ہوئے تو کسی نے داد دی کہ واہ سردار جی واہ۔ آپ نے خوب ہمت کی کہ اتنی تیز گاڑی میں سوار ہو گئے۔ فرمانے لگے خاک ہمت کی؟ جسے چڑھانے آئے تھے وہ تو بیچارا پلیٹ فارم پر رہ گیا ہے۔ یوں لگتا ہے یہ واقعہ یہیں کینیڈا میں ہوا ہو گا۔ اس لئے ریلوے والوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر پلیٹ فارم پر رخصت کرنے والوں کا داخلہ ہی منع کر دیا۔

ہم نے اپنے میزبانوں سے پہلا سوال ہی یہ کیا کہ کیا اس شہر میں پرانی کتابوں کی دکانیں بھی ہیں؟ وہ تو اتنے مستعد نکلے کہنے لگے ہاں اور جھٹ موٹر کا رخ ادھر موڑ دیا۔ ہم نے کہا اتنی بھی جلدی کیا ہے پہلے گھر پہنچو کہ ہمارے کھانے کا وقت گذر ا جا رہا ہے اور ہمیں سخت بھوک لگ رہی ہے۔ ہم لوگ گھر پہنچے تو فہیم کی تین نہایت پیاری پیاری بچیوں نے استقبال کیا۔ سب سے چھوٹی کا نام شانزے ہے۔ شانزے گلاب کے پھول کو کہتے ہیں۔ وہ بچی بھی بس ایسی ہی تھی نرم و نازک اور خوشبودار۔ منجھلی بیٹی کا نام ثمن ہے۔ قیمتی اور بے بہا۔ شائستہ بیٹی نے سمجھا تھا کوئی شریف آدمی نہیں کوئی مولوی مہمان بن کر آرہا ہے اتنے سارے کھانے پکا رکھے تھے۔ ہم نے روٹی اور ایک سالن پر اکتفا کیا۔ مگر بات یہ ہے کہ بی بی ذیابیطس نے سب کچھ سکھا دیا ہے۔ پرہیز نہ کریں تو کیا کریں۔ البتہ سبزیوں اور سلاد سے خوب انصاف کر سکتے ہیں۔ یعنی کھانے سے تو گئے مگر چرنے سے باز نہ آئے۔

شائستہ ہمارے ہم نام راجہ ناصر احمد صاحب کی بیٹی ہے۔ ربوہ کی لڑکی۔ الفضل کی گلی میں کھیلنے پلنے والی۔ اور الفضل کی گلی وہ گلی ہے جس کا ذکر ہم اپنے کئی مضامین میں کر چکے ہیں۔ بات یہ تھی کہ الفضل کا دفتر وہاں تھا۔ تنویر صاحب وہاں رہتے تھے پھر مسعود احمد خاں دہلوی بھی اسی گلی کے باسی تھے۔ قبلہ صوفی بشارت الرحمٰن صاحب بھی اسی گلی میں رہتے تھے۔

کھانے سے فارغ ہوئے تھوڑا سا آرام کیا تو اپنے پرانے شوق کی طرف لوٹے۔ پرانی کتابوں کی دکانیں دیکھنے کا شوق۔ ہم کسی بھی نئی جگہ پر جائیں وہاں سب سے پہلے پرانی کتابوں کی دکانیں تلاش کرتے ہیں۔ کچھ تگ و دو کے بعد دو تین دکانیں مل گئیں اور بظاہر ہمارے مطلب کی کتابیں بھی وہاں تھیں۔ ہمارے میزبان حیرت سے ہماری دلچسپی کو دیکھتے رہے کہ یہ کیا شوق ہوا؟ ایک دو کتابیں ایسی نظر آئیں جو ہمارے پاس ہیں اور ہم انہیں پڑھ چکے ہیں۔

اگلے روز کیوبیک کی سیر کرنے کا ارادہ تھا۔ کیوبیک اس صوبہ کا مرکزی شہر ہے اور منفرد سمجھا جاتا ہے۔ مانٹریال سے کوئی ڈھائی تین گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ جانے کا پروگرام بن رہا تھا تو ہم نے شائستہ بیٹی سے کہا کہ کھانے کے لئے آلوؤں والے پراٹھے ساتھ رکھ لو نعیم کہنے لگا کہ ہم نے تو فرنچ کھانا کھلانے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ ہم نے کہا چھوڑو جی فرنچ کھانوں کو ہمارے پکنک لنچ کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے جو لوگ بولتے وقت شائیں شائیں کرتے ہیں وہ کھلاتے وقت بھی آئیں بائیں شائیں کریں گے۔ چنانچہ آلوؤں والے پراٹھے ساتھ رکھ لئے اور انہوں نے بہت لطف دیا۔ سیر کی سیر پکنک کی پکنک۔ ہم خرما و ہم ثواب۔

کیوبیک پہنچنے سے پہلے ایک آبشار کے کنارے بیٹھ کر ہم نے پکنک لنچ کھایا۔ ان لوگوں نے از راہ مسافر نوازی وہاں بنچ وغیرہ لگا رکھے ہیں۔ لوگ باغ سیر سپاٹے کے لئے بھی آتے ہیں۔ جس نے آبشار نیاگرا دیکھ رکھی ہو اس کے لئے اس منی آبشار کی کیا حقیقت تھی مگر بھوک سب سے بڑی حقیقت تھی اور کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ بیٹی نے لنچ کے سارے لوازم ساتھ رکھے ہوئے تھے پانی پلیٹیں گلاس' چائے۔ بھوک کا اپنا ایک ذائقہ ہوتا ہے جو ہر شے کو لذیذ تر بنا دیتی ہے مگر آلوؤں والے پراٹھے اتنے سلیقہ سے پکائے ہوئے تھے کہ مزا آگیا۔ جی تو چاہتا تھا کہ آدمی کھاتا ہی جائے مگر بد پرہیزی کی بھی ایک حد ہوتی ہے اس لئے ایک ہی پراٹھا کھایا مگر واپسی کے سفر کے دوران سنیک کے بہانے' بچے ہوئے پراٹھوں کو بھی کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیا۔

کیوبیک اور مانٹریال کا ذکر احمدیہ لٹریچر میں پہلے بھی آچکا ہے۔ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب تیس کی دہائی میں بذریعہ بحری جہاز یہاں تشریف لائے تھے مگر ان کا سفر مانٹریال براستہ کیوبیک تھا ہم دوسرے راستے سے آرہے تھے یعنی مانٹریال سے کیوبیک آرہے تھے اور وہ بھی بحری جہاز کی بجائے کار میں۔ بہر حال کیوبک کا شہر دیکھنے سے زیادہ ہمیں وہ پل دیکھنے کی آرزو تھی جس کا ذکر چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب نے تحدیثِ نعمت میں کیا ہے: "ہم لورپول سے ڈچس لائن کے جہاز پر مانٹریال گئے۔ چند گھنٹوں کے لئے جہاز کیوبیک ٹھہرا۔ جہاز سے شہر کا نظارہ بہت دلفریب تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اٹھارویں صدی کے فرانس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر سینٹ لارنس کے کنارے رکھ دیا گیا ہے۔ کیوبیک سے جہاز نے لنگر اٹھایا تو سامنے دریا کا پل نظر آرہا تھا بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ جہاز کے قریب پہنچنے پر یا تو پل کا وسطی حصہ کھل جائے گا یا اگر ایسا نہ ہوا تو جہاز کے بادبان پل سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے۔ جہاز بتدریج پل کی طرف بڑھتا گیا۔ لیکن پل کا کوئی حصہ نہ کھلا۔ سب مسافر یہ نظارہ دیکھ رہے تھے جہاز پل کے نیچے پہنچتا دکھائی دیا تو بعض مسافروں کی چیخیں نکل گئیں لیکن بادبانوں کا پل سے تصادم نہ ہوا۔ آنکھ سے تو ایسا ہی دکھائی دیا کہ پل تک پہنچ کر بادبان خود نیچے ہو کر سمٹ گئے اور پل کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف پھر پہلے جیسی بلندی اختیار کر لی لیکن دراصل یہ سب

کیفیت ایک فریب نظر تھی۔ پل کی بلندی اتنی تھی کہ جہاز آسانی سے نیچے سے گذر سکتا تھا البتہ آنکھ فریب کھا جاتی تھی۔ کیوبیک سے مانٹریال تک دریا کے دونوں طرف فرانسیسی نسل کے لوگوں کی آبادی ہے۔ منظر دلفریب ہے یہ سارا دن بہت لطف میں گذرا۔"

(تحدیث نعمت صفحہ ۳۳۸۔۳۳۹)

ہم نے اسی پل کے قریب ایک اور بڑی آبشار تک کیبل ٹرین میں سفر کیا اور بلندی سے پل اور سمندر کا نظارہ کرتے رہے۔ سینٹ لارنس کا دریا مانٹریال تک اب بھی پہنچتا ہے مگر اب شاید اس میں نیویگیشن نہیں ہوتی۔ ورنہ ہم باقی باتوں کی تصدیق بھی کر سکتے۔ البتہ یہ ہم نے دیکھا کہ مانٹریال تک فرانسیسی کیوبیک تک فرانسیسی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ مکانات بھی خوب صورت ہیں۔ مانٹریال میں سینٹ لارنس کے کنارے تو اب احمدیہ مشن ہاؤس بھی خرید لیا گیا ہے۔ خوب صورت عمارت ہے۔

کیوبیک شہر میں اس پارلیمنٹ کی عمارت بھی دیکھی جو ایک علیحدہ ملک کی پارلیمنٹ بنتے بنتے بچی۔ کیوبیک کا صوبہ کینیڈا سے الگ ہو کر خود مختار بننا چاہتا ہے اور یہ ہونے کو ہی تھا کہ ریفرینڈم میں معمولی اکثریت نے اس فیصلہ کو رد کر دیا۔ حالانکہ کینیڈا کے وزیر اعظم فرانسیسی بولنے والے علاقہ کے ہیں اور سارے ملک پر حکومت کر رہے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ کینیڈا دنیا کا واحد ملک ہے جس کی پارلیمنٹ کے آدھے اراکین علیحدگی پسند ہیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے تو وہ علیحدہ نہیں ہوئے بعد میں وہ جائیں یا ان کا علاقہ ہم اس کے ذمہ دار نہیں بننا چاہتے۔

اس روز کوئی کلچرل میلہ سا تھا اس لئے خواتین وحضرات خاص لباس زیب تن کئے اُملے گھلے پھر رہے تھے۔ ایک جگہ سمندر کے کنارے ایک چوک میں لوہار کی دھونکنی چل رہی تھی اور لوہار اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ایک جگہ دھوبی مصروف تھا ایک مقام پر پرانی طرز کی پولٹری فارمنگ کا سٹال تھا۔ تھوڑی سی جگہ کو ریلنگ سے گھیر کر وہاں مویشی چھوڑ رکھے تھے۔ واپسی کے لئے خاصے چکر کاٹنے پڑے کیونکہ بہت سی سڑکوں کو ون وے کر دیا گیا تھا۔ جوں توں وہاں سے نکلے اور ایک چکر شہر کا لگایا۔ اس کی خوبصورتی پر مہر تصدیق ثبت کی اور واپسی کا سفر شروع کیا۔ جی تو چاہتا تھا کہ کچھ دیر اور رکیں مگر پیچھے مانٹریال میں برکات الٰہی جنجوعہ کے بیٹے سے ملاقات طے کر رکھی تھی اور اس کے لئے مناسب وقت پر چلنا ضروری تھا سفر لمبا ہو تو سڑک کی حالت نگاہ میں رکھنا پڑتی ہے کہ کہیں ٹریفک میں نہ پھنس جائیں۔

برکات الٰہی جنجوعہ' ہمارا سکول کے زمانہ کا دوست اور کلاس فیلو تھا۔ پچھلے برس اس کا انتقال ہو گیا۔ واپس مانٹریال پہنچے تو سیدھے نئے احمدیہ مشن ہاؤس گئے۔ بڑی خوبصورت جگہ پر واقع ہے۔ دریا کا کنارا۔ ارد گرد کا علاقہ خاموش اور پر سکون' زوال کا وقت تھا ورنہ دو نفل ہی پڑھ لیتے۔ گھر واپس پہنچے۔ بچوں کو اتارا' کھانا کھایا اور پھر برکات الٰہی کے گھر روانہ ہوئے۔ نعیم پہلی بار جا رہا تھا اس لئے خوب اتا پتہ پوچھنے کے باوجود تین چار غلط مکانات میں جھانکنے کے بعد منزل مقصود تک پہنچے۔ برکات کا بیٹا ہمارا منتظر تھا۔ انجینئر ہے اور ماشاء اللہ ذہین فطین ہے مگر کچھ زیادہ ہی کینیڈیایا گیا ہے۔ برکات الٰہی علمی ذوق کا آدمی تھا اس لئے ہمارا خیال تھا کہ اس کی لائبریری ضرور ہوگی۔ چنانچہ اس کی لائبریری دیکھی۔ خاصی کتابیں ہیں سلسلہ کا لٹریچر بھی کافی ہے۔ ہم نے بیٹے سے یہی کہا کہ بیٹے یا تو خود اس سے استفادہ کرو یا یہ کتابیں کسی ایسی جگہ پہنچا دو جہاں لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں اور تمہارے باپ کو دعائیں دیں۔ جو ان کے مضمون کی ٹیکنیکل کتابیں ہیں وہ بھی کسی مناسب مقام پر پہنچاؤ۔ کہتا تو تھا کہ اچھا کچھ کروں گا۔ اللہ اسے توفیق دے۔ بہر حال ایک پرانے مرحوم دوست کی اولاد سے مل کر خوشی ہوئی اس کی زندگی میں ملاقات ہوتی تو اور زیادہ خوشی ہوتی۔

ہمارا تجربہ ہے کہ علم دوست باپ کی اولاد عام طور سے لاپرواہی برتتی ہے اور اپنے باپ کے علمی سرمائے کو ضائع کر بیٹھتی

ہے۔ ہمیں اس کا تجربہ ہوا۔ ہم پی ایچ ڈی کا کام کر رہے تھے ادیب شہیر مولانا صلاح الدین احمد نے فرمایا کہ سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں (نام ذہن سے محو ہو گیا ہے) ایک صاحب تھے جن کا نام نامی تھا منشی سراج الدین آذر! وہ کشمیر میں میر منشی تھے۔ علم دوست آدمی تھے انہیں اردو میں چھپنے والے رسائل و اخبارات کا بہت شوق تھا کوئی پرچہ کہیں سے چھپتا وہ اس کو منگواتے تھے چنانچہ تمہیں ان کے گاؤں بھی جانا چاہئے۔ ہم پہنچے۔ ان کی اولاد بڑے معزز حکومتی عہدوں پر فائز تھی ایک بیٹا مرکز میں جائنٹ سیکرٹری تھا مگر ان کی ساری لائبریری صندوقوں میں بند پڑی تھی اور دیمک کی غذا بن رہی تھی۔ ان کی بیوہ نے ہمیں اجازت دی کہ اگر ہم اس سے کوئی استفادہ کر سکتے ہیں تو کریں۔ ہم دو ہفتے وہاں رہے نہ درنہ اخبارات ورسائل اور کتابیں دھول میں اٹی ہوئی دیمک کی چاٹی ہوئی۔ ہم نے واپس پہنچ کر مولانا صلاح الدین احمد صاحب سے یہ صورت حال بیان کی انہیں بہت افسوس ہوا۔ آپ نے پروفیسر حمید احمد خاں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کو خط لکھا کہ وہ اس خزانہ کو حاصل کرنے کی تگ و دو کریں۔ چنانچہ بڑی کدو کاوش کے بعد وہ کتابیں اور رسائل پنجاب یونیورسٹی میں پہنچے اور اب وہاں منشی سراج الدین آذر کولیکشن کے نام سے محفوظ ہیں۔ اگر یہ کوشش نہ ہوتی تو یہ سارا خزانہ دیمک چاٹ جاتی۔ ہم جو کتابیں ربوہ چھوڑ آئے تھے وہ ہم نے جامعہ احمدیہ والوں کے حوالے کر دیں۔ قبلہ سید میر محمود احمد ناصر صاحب مدظلہ کا خط آیا کہ "میں کسی اور شخص کی لائبریری کے لئے دعائیں کر رہا تھا وہ دعائیں آپ کے حق میں قبول ہو گئیں۔" فالحمد للہ علی ذلک۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارا حقیر نذرانہ قبول فرما لیا۔ کتابیں اگلی نسلوں کی امانت ہوتی ہیں اس لئے انہیں اسی صورت میں گھروں میں رکھنا چاہئے جب ان سے استفادہ کرنے والا کوئی موجود ہو ورنہ لائبریریوں کو دے دینی چاہئیں۔ یہ ثواب بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی! سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارہ میں بہت تلقین فرمایا کرتے تھے۔

خدام توجہ فرمائیں.........!

سال 2000-1999ء کی پہلی سہ ماہی کیلئے مقابلہ مضمون نویسی کا عنوان "تربیت نو مبایعین...... طریق اور فوائد" مقرر کیا گیا ہے۔ جس کے لئے آخری تاریخ 15 جنوری 2000ء ہے۔

اگر آپ مضمون نویسی کا شوق رکھتے ہیں تو فوراً قلم اٹھائیں اور مندرجہ بالا موضوع پر مضمون لکھ کر روانہ کریں۔ معیاری مضامین پر انعامات دیئے جائیں گے اور ماہنامہ خالد اور تشحیذ الاذہان میں بھی شائع کروائے جائیں گے۔

شعبہ تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

تنظیمی کاموں کی اہمیت

حضرت مصلح موعودنے فرمایا:۔

"وہ دن آنے والا ہے جب احمدیت کے کاموں میں حصہ لینے والے بڑی بڑی عزتیں پائیں گے لیکن ان لوگوں کی اولادوں کو جو اس وقت جماعتی کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے دھتکار دیا جائے گا۔ جب انگلستان اور امریکہ ایسی بڑی بڑی حکومتیں مشورہ کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں گی اور وہ اسے اپنے لئے موجب عزت خیال کریں گے اس وقت ان لوگوں کی اولاد کہے گی۔ ہمیں بھی مشورہ میں شریک کرو لیکن کہنے والا انہیں کہے گا جاؤ تمہارے باپ دادوں نے اس مشورہ کو اپنے وقت میں رد کر دیا تھا۔ اور جماعتی کاموں کی انہوں نے پروا نہیں کی تھی اس لئے تمہیں بھی اب اس مشورہ میں شریک نہیں کیا جائیگا۔

پس اس غفلت کو دور کرو اور اپنے اندر یہ احساس پیدا کرو کہ جو شخص سلسلہ کی کسی میٹنگ میں شامل ہوتا ہے اس پر اس قدر انعام ہوتا ہے کہ امریکہ کی کونسل کی ممبری بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور اسے سو حرج کر کے بھی اس میٹنگ میں شامل ہونا چاہئے۔ اگر وہ اس میٹنگ میں شامل نہیں ہوتا تو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے سلسلہ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن وہ خود الٰہی انعامات سے محروم ہو جائے گا۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت 1956ء صفحہ 24)

Monthly **Khalid** Rabwah

Regd. No . CPL - 139 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz December 1999

ست پارہ جھیل۔ سکردو